ابتدائی سماجی انسانیات

ابتدای سماجی انسانیات

فاطمہ شجاعت،
ریسرچ اسکالر
شعبہ سماجیات،
عثمانیہ یونی ورسٹی۔

انجمن ترقی اُردو (حیدرآباد)
۱۹۵۶ء

پہلی عبارت

کالج میں تعلیم حاصل کرتے وقت مجھے سماجی انسانیات میں
کسی موزوں اردو کتاب کے نہ ہونے کا اکثر احساس ہوتا تھا، اس لیے
میں نے خیال کیا کہ جو کچھ میرے پاس انسانیاتی نوٹ اور اقتباس موجود
ہیں کیوں نہ انھیں کانٹ چھانٹ کر اور ترتیب دے کر اردو داں حضرات
کی خدمت میں پیش کروں۔ غرض ایم۔ اے کی تکمیل کے بعد میں نے
یہ کام شروع کیا اور انگریزی کی مروجہ انسانیاتی کتابوں اور رسالوں
کی مدد سے 'ابتدائی سماجی انسانیات' پر کتاب لکھنی شروع کی۔

جب پروفیسر جعفر حسن صاحب، صدر شعبہ سماجیات، کو
میری اس کوشش کا علم ہوا تو موصوف نے اپنا لکھا ہوا ایک مضمون،
جو اس کتاب کا پہلا باب بنایا گیا ہے، عنایت کیا اور میری مجوزہ کتاب کی
تکمیل پر متوجہ کرتے رہے۔ نیز اپنی "تشریحی لغت" سے مدد لینے کی اجازت
دی، جس کی وجہ سے میں موصوف کی رہین منت ہوں۔

شعبہ سماجیات کے لکچراروں میں مس تصدق پنجتن

اور مس آئماے کانگا کے علاوہ جناب رام چندر پرشاد صاحب، جناب مصلح الدین صاحب، اور ڈاکٹر پرشوتم صاحب سرسالکر کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے، جنھوں نے اس کتاب کی تیاری میں کافی دلچسپی لی۔

جناب خواجہ عبدالغفور صاحب، ڈائریکٹر سوشیل سروس ڈپارٹمنٹ، کی میں مشکور ہوں کہ آپ نے بارھویں باب سے متعلق حیدرآباد کے آدی باسیوں کی تصویروں کے بلاک عنایت کیے۔

سب سے بڑھ کر میں انجمن ترقی اردو (حیدرآباد) کی ممنون ہوں کہ گوناگوں دشواریوں کے باوجود میری کتاب اشاعت کے لیے قبول فرمائی گئی، ورنہ یہ کتاب انسانیات کے طالب علموں اور اُس سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کے سامنے شاید آنے ہی نہ پاتی۔

فاطمہ شجاعت
اگست ۵۶ء

عنوانی فہرست

تصویروں کی فہرست

پہلا حصہ: تمہید

پہلا باب

سماجی انسانیات کا مفہوم

اور

اس کی

وسعت، افادیت اور اہمیت

سماجی انسانیات کا مفہوم:

عمرانی علوم میں سے ایک علم سماجی انسانیات یا سوشیل اینتھراپالوجی (Social Anthropology) ہے، جسے بعض لوگ خاص کر امریکی کلچرل اینتھراپالوجی (Cultural Anthropology) یعنے تمدنی انسانیات کہتے ہیں۔ یہ دونوں ایک ہی علم کے مختلف نام ہیں۔ درحقیقت علم ایک ہی ہے۔ عام رواج اور اکثریتی رجحان کے مطابق اسے سماجی انسانیات کہا جاتا ہے۔ ناموں کا فرق یا ایک ہی علم کے لیے ایک سے زیادہ ناموں کا رواج کوئی نئی چیز نہیں ہے، کیوں کہ معاشیات کو بھی چند سال پہلے علم المعیشت یا "اقتصادیات" کہا جاتا تھا اور اب بھی "اقتصادیات" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ انگریزی میں بھی اس صدی کے آغاز تک معاشیات کو

پولیٹیکل اکانومی (Political Economy) کہا جاتا تھا۔

اُردو میں سیاست اور سیاسیات میں باضابطہ طور پر فرق نہیں کیا جاتا۔ سیاسیات علم کا بھی نام ہو سکتا ہے اور عملی سیاست کا بھی، چنانچہ حیدرآباد کا سیاسی محکمہ "محکمہ سیاسیات" کہلاتا تھا۔ ہندوؤں میں عام رواج کے مطابق دھرم شاستر کو "ہندو دھرم شاستر" کہا اور سمجھا جاتا تھا، حالانکہ دھرم شاستر کے معنے صرف مذہبیات کے ہیں۔ اس کے علاوہ دھرم اور دھرم شاستر میں بھی کوئی فرق نہیں کیا جاتا۔ یہی حال دینیات کا ہے۔ دینیات سے مراد شرع شریف اور اسلامی اُصول و آئین ہیں، حالاں کہ یہ بھی دراصل دھرم شاستر یا مذہبیات یعنے مذہبوں کا مطالعہ کرنے والا علم ہے۔ مختلف چیزوں کے لیے ایک ہی نام یا ایک ہی چیز کے لیے مختلف ناموں کے استعمال سے ضرور غلط فہمی کا اندیشہ رہتا ہے۔ غرض سماجی انسانیات یا تمدنی انسانیات ایک ہی علم ہے اور یہ علم بھی جدید ترین عمرانی علوم میں سے ہے۔

اب سے تقریباً سو سال پہلے کونت (Comte) کو خیال ہوا کہ سماج کا مطالعہ کرنے والا ایک خاص علم ہونا چاہیئے۔ یہیں سے سماجیات کی ابتدا ہوتی ہے۔ اس کی ضرورت اور اہمیت ماننے کے بعد اسپنسر (Spencer) کو یہ خیال ہوا کہ باضابطہ طور پر سماجی اُمور کی تحقیق ہونی چاہیے اور سماجی زندگی کے بارے میں قابل بھروسہ مواد اکٹھا کرنا چاہیے۔ اس ضرورت کے احساس کے ساتھ ہی اسپنسر نے بیانی سماجیات یعنے (Descriptive Sociology) کے نام سے باضابطہ طور پر مختلف ملکوں، زمانوں اور درجوں کے سماجوں کے حالات جمع اور مرتب کرنے شروع کیے۔ اور معلومات کے اس ذخیرے کو

بڑی تقطیع کی آٹھ جلدوں میں شایع کیا - ان میں افراد اور خاندانوں کی زندگی کے تمام سماجی امور کو منظم طور پر پیش کیا گیا ہے - افراد کی خاندانی زندگی، رسم ورواج، عادات واطوار، رہنے سہنے کے طریقے، کاروباری دھندے، شوق اور پہناوا، کھیل کود، مشغلے، تعصبات، زبان، بول چال، اخلاق، مذہب، شریعت، حقیقی اور ظاہری اصول زندگی وغیرہ سب بلاکم وکاست یا بغیر مبالغے یا بغیر ہمدردی یا مخالفت کے بیان کیے جاتے ہیں - گویا مختلف سماجوں کی حقیقی سرگذشت بیان کرنا بیانی سماجیات کا کام ہے یا تھا - "تھا" اس لیے کہنا پڑتا ہے کہ یہ سب کام رفتہ رفتہ سماجی انسانیات کے سپرد کیا جارہا ہے اور سماجی انسانیات میں وہ تمام چیزیں بیان کی جاتی ہیں جو بیانی سماجیات کے ذمہ تھیں یا ہونی چاہیے تھیں ایک محدود معنے میں دونوں علوم ترقی کر رہے ہیں - سماجی انسانیات تمام تر اپنی توجہ خام تمدنی قبیلوں یا آدی باسیوں پر مبذول کر رہی ہے اور بیانی سماجیات زیادہ تر تہذیب یافتہ یا تمدن کے لحاظ سے اونچے درجے پر پہنچے ہوئے سماجوں پر تحقیق کرتی ہے، البتہ بیانی سماجیات کا نام متروک ہو چکا ہے اور اس کی بجائے سماجی سروے کا نام استعمال کیا جاتا ہے - دوسرے لفظوں میں وہ بیانی سماجیات جس میں خام تمدنی قبیلوں اور آدی باسیوں پر توجہ کی جاتی ہے سماجی انسانیات کہلاتی ہے، البتہ اس میں تہذیب کی ابتدا یا سماج کے بالکل ابتدائی درجوں اور خام تمدنی معیار تک پہنچنے کے مدارج کا بھی ذکر ہوتا ہے اور خام تمدنی یا آدی باسی سماج پر نظری تبصرہ بھی ہوتا ہے - غرض سماجی اور تہذیبی زندگی کے ابتدائی مرحلوں اور آدی باسی سماجوں کے بارے میں تحقیق کرنے والے علم کا نام سماجی انسانیات ہے - سچ پوچھیے تو سماجی انسانیات کے

دائرے میں اتنا پھیلاؤ ہونا چاہیے تھا کہ اس میں آدی باسی، نیم تمدنی / خام تمدنی اور تمدن یافتہ سب سماجوں کی بیانی سرگذشت ہوتی۔ بعض عالم سماجی انسانیات کے موضوع بحث میں صرف خام تمدنی قبیلوں اور آدی باسیوں کو نہیں بلکہ تمام زندہ تہذیبوں کو شامل کرتے ہیں، لیکن عام رجحان تحدید کی طرف مائل ہے۔ فرانس بواس (Franz Boas) کا قول ہے کہ

"انسانیاتی نقطہ نظر سے قدیم سے قدیم زمانوں میں اور زیادہ سے زیادہ دور افتادہ مقامات میں بسنے والے انسانوں کی زندگی بھی اتنی ہی اہمیت رکھتی ہے جتنی کہ تاریخی دور کے یا خود ہماری نسل کے انسانوں کی زندگی۔"

'From an anthropological view point human life of the earliest times and of the remotest parts of the world is no less important than that of historic times and of our own race " [1]

گویا دوسرے الفاظ میں بواس اس کے خلاف ہے کہ سماجی انسانیات خام تمدنی لوگوں کا علم بن کر رہ جائے۔ ہر اعتبار سے یہ طریقہ غلط معلوم ہوتا ہے کہ علم کا نام تو اینتھراپالوجی یا علم انساں یا انسانیات ہو مگر اس میں بیان صرف

---

1. E R A Seligman

" Encyclopaedia of Social Sciences "

Macmillan New York 1948. Vol 2 P. 78

خام تمدنی لوگوں یا نیم تربیت یافتہ قبیلوں یا بلکل تہذیب محروم آدی باسیوں کا ہو۔ حیرت ہے کہ اس احساس کے باوجود خود بواس یا اس کے کسی ہم خیال نے کوئی ایسی کتاب نہیں لکھی جو لفظی یا معنوی اعتبار سے علم انسان یا انسانیات پر حاوی ہو سکے۔ بواس کے قول کے مدنظر یہ احساس اکثر ہوتا ہے کہ کاش چند ہی عالموں کو اس کے مشورہ پر عمل کرنے کی توفیق ہوتی اور دو چار ہی ایسی کتابیں ہوتیں جن میں قدیم و جدید، ترقی یافتہ اور زوال پذیر، متمدن اور وحشی، خام تمدنی اور آدی باسی جماعتوں اور قبیلوں، جز ذاتوں اور گروہوں قوموں اور لوگوں کا ذکر ہوتا۔ اگرچہ قومیات (Ethnology)؛ انسانیات (Anthropology)؛ قبل تاریخ (Pre-History)؛ سماجیات (Sociology) اور لسانیات (Linguistics) میں تھوڑا بہت فرق ضرور ہے اور وہ علیحدہ علوم بھی تصور کیے جا سکتے ہیں، پھر بھی ایک ایسے علم کی ضرورت محسوس ہوتی ہے جس میں مربوط طور پر قومیاتی، قبل تاریخی، سماجی اور لسانیاتی نشو و نما کو اچھی طرح واضح کیا گیا ہو اور / یا انسانی تہذیب کی ترقی جامع طور پر بیان کی گئی ہو۔ اسی لیے بعض ماہر عالم سماجی انسانیات کے بیان میں قبل تاریخ اور لسانیات پر بحث کرتے ہیں۔ گویا علم انسان سے متعلق دو دبستان ہیں۔ ایک کا خیال ہے کہ سماجیات، لسانیات، قبل تاریخ، انسانیات اور قومیات علیحدہ علیحدہ علوم ہیں اور دوسرے کا خیال ہے کہ یہ پانچوں ایک ہی علم کے جزو ہیں۔ واقعہ بھی یہ ہے کہ آپ چاہیں تو ان سب کو ایک علم تصور کریں یا ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ یہ دونوں راستے صحیح ہیں۔ ہم چاہیں تو سب علوم کو

ایک ہی علم کی متعدد شاخیں تصور کرسکتے ہیں یا ہر علم کا جداگانہ وجود مان سکتے ہیں۔ اصل فرق نقطہ نظر کا ہے یا اصطلاحوں کا حقیقت بہرحال ایک ہی ہے عملی زندگی میں دیکھا جائے تو ایک طرف سیاست، معیشت، اخلاق، قانون، سماج، مذہب، زبان، اور نفس سے متعلق علوم اور دوسری طرف ترقی یافتہ اور غیر ترقی یافتہ، مہذب اور غیر مہذب، اعلا اور متوسط جماعتیں یہ سب ایک دوسرے سے ایسے ملے جلے اور اس طرح وابستہ ہیں کہ ان کی مکمل تفریق اور حد بندی ممکن نہیں۔

سماجی انسانیات کی وسعت: سماجی انسانیت جو بعض وقت تمدنی انسانیات کے نام سے بھی موسوم کی جاتی ہے عمرانی علوم کی وہ شاخ ہے، جس میں انسان سے بحث کی جاتی ہے۔ یہ عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے کہ انسان نے زمین و آسمان کی ہر چیز سے متعلق معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی، لیکن خود اپنے بارے میں اس نے سب سے آخر میں علم حاصل کیا۔ اس حیثیت سے انسانیات کی ابتدا ہوئے بہت زیادہ زمانہ نہیں گزرا۔ اس کی ابتدا بیچ ۱۸ ویں صدی میں ہوئی اسی لیے اس علم کو بعض اوقات عمرانی علوم میں سب سے کم عمر علم کہا جاتا ہے، حالانکہ یہ بات قطعی طور پر صحیح نہیں مثلاً خود سماجیات کی بہت سی ذیلی قسمیں مثلاً شہری سماجیات (Urban Sociology) دیہی سماجیات (Rural Sociology)، تعلیمی سماجیات (Educational Sociology) اور سماجی نفسیات (Social Psychology) وغیرہ سماجی انسانیات کے بعد وجود میں آئی ہیں۔ انسانیات کا علم اس تمدنی جاندار سے بحث کرتا ہے، جو انسان کے نام سے موسوم ہے۔ نسلیں، زبانیں اور تمدن کی

مختلف نشانیاں جو مختلف اوقات میں اور مختلف مقاموں پر نمودار ہوئیں سماجی انسانیات کا موضوع بحث ہیں۔ اس علم کے ذریعہ ہم پر یہ واضح ہوتا ہے کہ انسان حقیقت میں کیا تھا اور کیا ہے؟ یہ علم انسان کے ان کارناموں کو واضح کرتا ہے جو اب تک منظر عام پر نہیں آئے تھے، خاص کر انسانی زندگی کے ابتدائی زمانوں نیز موجودہ زمانے کے خام تمدنی اور آدی باسی قبیلوں کے حالات سے بحث کرتا ہے۔ سماجی انسانیات، قبل تاریخ، قدیمیات، اور لسانیات میں بھی بہت گہرے اور متعدد بندھن ہیں۔ وہ تاریخی آثار و واقعات جنھوں نے موجودہ تہذیب تشکیل دی اور تمدن کے مختلف ماحول پیدا کیے، وہ طریقے جن سے نسل، زبان اور تمدن کی تبدیلی یا اصلاح عمل میں آتی ہے، وہ آپسی تعلقات جو انسان اور اس کے ماحول کے درمیان پائے جاتے ہیں یہی وہ موضوع ہیں جنھیں انسانیات کا علم حل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس علم کے موضوع بحث میں انسان کی پوری اجتماعی زندگی آجاتی ہے جس میں وقت اور جگہ کی کوئی تخصیص نہیں، لیکن خاص طور پر انسانیاتی نقطہ نظر سے سب سے قدیم زمانے کی انسانی زندگی اور خام تمدنی تہذیبیں بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہیں انسانی زندگی کے متعلق مختلف زاویوں کی جغرافیاتی تقسیم اور وہ تاریخی سلسلہ جو ابتدائی زمانے سے موجودہ زمانے تک چلا آرہا ہے انسانیاتی تحقیق کا سب سے پہلا موضوع اور سب سے اہم مسئلہ ہے۔ لہٰذا اس علم کی مدد سے انسانی تہذیب کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ انسانیات کے مختلف بابوں اور شاخوں کے مطالعے سے ہم اس امر کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ انسان کیا ہے اور اس نے کیا کیا؟ یہی وجہ ہے کہ انسانیات کے علم کو عام طور پر "The Science of Man" کا

نام دیا جاتا ہے۔ دوسرے علوم کی طرح سماجی انسانیات میں زیر بحث آنے والے موضوعوں کی فہرست مرتب کرنا ممکن نہیں اس میں بہت سے موضوع شامل بھی کیے جا سکتے ہیں اور نہیں بھی۔ چنانچہ بعض ماہر اور عالم اس میں طبعی انسانیات کا عنصر اس قدر بڑھا دیتے ہیں کہ وہ انسانی ڈھانچوں اور کھوپڑیوں کا علم بن جاتا ہے اور بعض طبعی عنصر اس قدر نظر انداز کر دیتے ہیں کہ سماجی انسانیات خام تمدنی لوگوں کی وہم پرستیوں اور گانوں یا ان کی جنسی زندگی اور فحش کلامی کی روداد معلوم ہوتی ہے۔ اسی بنا پر بعض لوگ کہہ بیٹھتے ہیں کہ حقیقی معنوں میں یہ کوئی علم ہی نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد انسانی زندگی سے متعلق بکھرے ہوئے خیالات کو جمع کر لینا ہے۔ اس مخالفت کے باوجود انسانیات برابر ترقی کر رہی ہے اور اس کی دو قسمیں تشکیل پا چکی ہیں یعنے طبعی انسانیات اور سماجی انسانیات۔ انسان کے جسمانی ارتقا، جسمانی ساخت، جسمانی تبدیلیوں اور جسمانی خصوصیتوں سے بحث کرنے والا علم طبعی انسانیات ہے، جس کے ڈانڈے بدنیات اور حیاتیات سے ملتے ہیں۔ خام تمدنی انسانوں کے سماجی ارتقا، سماجی ساخت، سماجی تبدیلیوں اور سماجی خصوصیتوں سے بحث کرنے والا علم سماجی انسانیات ہے جس کے رشتے، مذہبیات، سماجیات، معاشیات، تاریخ اور خاص کر قبل تاریخ، قدیمیات اور آثاریات سے ملتے ہیں۔ بسا اوقات جن موضوعوں پر سماجی انسانیات میں تبصرہ ہوتا ہے وہی قبل تاریخ، قدیمیات، لسانیات، مذہبیات اور سماجیات کا بھی موضوع تحقیق ہوتے ہیں۔ مختلف علوم میں ایک ہی موضوع کی تحقیق کوئی تعجب خیز بات نہیں کیوں کہ نقطہ نظر کے فرق کی وجہ سے ایک ہی موضوع پر مختلف طریقوں سے روشنی ڈالی جاتی ہے۔ تب ہی تو یہ علم کبھی خود دوسروں پر روشنی ڈالتا ہے اور کبھی

دوسروں کی روشنی میں خود چمکتا ہے۔

سماجی انسانیات کی افادیت اور اہمیت: سماجی انسانیات کا ایک معمولی فایدہ تو وہی ہے جو ہر علم یا زبان و ادب کے سنجیدہ مطالعے سے حاصل ہوتا ہے یعنے ذہن کا نشو و نما اور ذہنی قوتوں کی ترقی جس کی وجہ سے عام قابلیت و صلاحیت میں اضافہ ہوتا ہے۔ سماجی انسانیات کے مطالعے سے ہم اپنی اول ترین تہذیب کا پتہ چلاتے ہیں۔ ہم یہ جان سکتے ہیں کہ انسان کا ارتقا کیسے عمل میں آیا؟ بالکل ابتدا میں انسان کے رہنے سہنے، کھانے پینے کے کیا وسیلے یا طریقے تھے؟ اس کی اخلاقی زندگی، اس کے جنسی رجحان، اس کی معاشی تنظیم، اس کے کھیل اور مذہبی تخیل، اس کی تفریحیں اور فنکاریاں کس قسم کی تھیں غرض ابتدائی انسان کی اجتماعی زندگی کا علم سماجی انسانیات سے ہوتا ہے اور اس معلوماتی پس منظر میں موجودہ زمانے کی بعض خصوصیتیں زیادہ واضح ہو جاتی ہیں جس طرح تاریخی معلومات کے پس منظر میں موجودہ زمانے کے بعض مسئلے کم دشواری سے سمجھ میں آتے ہیں اسی طرح سماجی انسانیات کی معلومات سے بعض اوقات موجودہ زمانے کی سماجی تنظیم کا سمجھنا کم دشوار ہو جاتا ہے۔ معلومات کا حاصل کرنا بذاتِ خود مفید نہ سہی، مگر ہر سمجھدار شخص کو کبھی نہ کبھی اس کا موقع ملتا ہے کہ وہ اپنی معلومات سے فایدہ اٹھائے۔ سماجی انسانیات کا ایک اور فائدہ یہ ہے کہ اس کی مدد سے ہم اپنے ملک اور زمانے کے ان کروڑوں لوگوں کی حالت و حیثیت سے واقف ہوتے ہیں جو آج تک خام تمدنی زندگی بسر کرتے چلے آئے ہیں اور آج بھی خام تمدن کے ابتدائی درجوں پر زندگی بسر کر رہے ہیں مختلف قبیلوں میں مختلف رسم و رواج، مختلف اصول و قانون

مختلف طریقوں کی پنچایتیں، مختلف سماجی قانون اور مذہبی اعتقاد پائے جاتے ہیں۔ یہ اختلاف کہیں کم ہوتا ہے اور کہیں زیادہ کہیں اہم ہوتا ہے اور کہیں برائے نام۔ بسا اوقات ان ہی کی واقفیت سے عہدیداروں اور سماج کاروں کو انصاف اور حکمت عملی میں بڑی مدد ملتی ہے۔ سماجی انسانیات سے واقفیت رکھنے والے اشخاص اگر کسی ملک میں قابل لحاظ تعداد میں ہوں یا ان میں سے کچھ لوگ اہم خدمتوں پر متعین ہوں یا وہ با اثر شخصیتوں کے حامل ہو جایں تو خام تمدنی قبیلوں اور آدی جاتیوں کو متاثر کرنے والے اصول و آئین نیز سرکاری ضابطوں اور قاعدوں میں خوشگوار، موافقانہ اور منصفانہ تبدیلی ہوتی ہے۔ چنانچہ خود ہمارے ملک میں چند سال قبل تک آدی باسیوں اور خام تمدنی قبیلوں کو "جنگلی انسان"، "بن مانس" "وحشی" "جرائم پیشہ" "اقوام صحرائی" جیسے حقارت آمیز ناموں سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ ان کی اصلیت، تعداد اور تاریخ سے ناواقفیت کے باعث (نادانستہ طور پر ہی سہی) اُن سے غیر شریفانہ، غیر منصفانہ اور ظالمانہ برتاؤ کیا جاتا تھا۔ حاکم اور رہبر سمجھتے تھے کہ اِن پست جماعتوں کو بلند کرنے کے لیے انہیں جلد سے جلد ہندو بنا دینا چاہیے اور کئی حاکم ایسے بھی تھے جو اپنے مطلب کی خاطر انہیں عیسائی بنانا چاہتے تھے تاکہ وہ نہ صرف عیسائی دھرم اختیار کریں بلکہ اپنے عیسائی حاکموں کے ہم مذہب ہونے کا شرف پاکر اطاعت گزار اور فرماں بردار بن جائیں۔ ہندستان کی اَن لکھی تاریخ کا یہ بھی ایک حسرتناک پہلو ہے کہ ہندستانی رہبروں کی ناواقفیت سے فایدہ اٹھاکر بدیسی سامراج نے اپنی قوت بڑھائی تھی اور ان کی غلط خیالی کی وجہ سے کئی خام قبیلوں کی زندگی میں ناپسندیدہ انتشار پیدا

ہوا تھا، خاص کر بعض قبیلوں کا ہندو بن جانا (Hinduization)
خود ہندستانی تہذیب کا نقصان تھا۔ بعض صورتوں میں مثلاً زبان، گانے،
کہانیاں، خوش مذاقی اور ناچ کھیل کے فراموش ہو جانے سے ایسا نقصان
ہوا ہے کہ اس کی تلافی ناممکن ہے، البتہ اس نقصان کو نقصان سمجھنے اور
ماننے کے لیے بھی سماجی انسانیات کے علاوہ ہندستانی انسانیات کی واقفیت
ضروری ہے۔ واقفیت کے باوجود بھی غلط خیالی اور گمراہی ہو سکتی ہے، مگر
صحیح خیالی کے لیے واقفیت تو بہر حال لازمی ہے اسی منزل تک پہنچنے میں
سماجی انسانیات سے ہمیں مدد ملتی ہے اور یہی اس کا ناقابل انکار فایدہ ہے۔
سماجی انسانیات کا ایک اور فایدہ جو بظاہر غیر اہم مگر بعض افراد کی زندگی
میں نمایاں اہمیت حاصل کر سکتا ہے رعونت اور خود پرستی کی روک تھام ہے۔
جب ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی ہر قوم کی طرح ہر قوم کا ہر قبیلہ اپنے
آپ کو سب سے بہتر، اعلا اور افضل تصور کرتا ہے، نیز خود کو "خدا کا چہیتا"
"پرماتما کا لاڈلا" یا اسی قسم کے من مانے خطاب دیتا ہے (جو تعلیم یافتہ
اور ترقی یافتہ انسانوں کے عطا کردہ "Master Race" یعنے
"حاکم نسل" یا "Herrenvolk" یعنے "اشرف المخلوقات" کے
تصوروں کی طرح محض شیخی پر مبنی ہوتے ہیں) تو اسے خیال ہو سکتا ہے کہ
جہاں ہر قبیلہ افضل اور برتر ہے وہاں سچ مچ کوئی بھی افضل اور برتر
نہیں۔ کم سے کم جہاں ہر قبیلہ افضلیت اور برتری کا دعوے دار ہو اور
اس کے دعوے کا کوئی ماننے والا نہ ہو وہاں غیر تسلیم کردہ دعوے کرنا
ہی نادانی ہے اسی واقفیت سے متاثر ہو کر کئی گورے محققوں نے خام تمدنی
قبیلوں سے واقفیت کے بعد گولڈن وائزر (Goldenweiser) کی

طرح اعتراف کیا ہے کہ ۔

ہم صنعت وحرفت، زراعت
اور تجارت میں چاہے ممتاز
ہوں مگر مذہب، سماجی تنظیم
ادب اور اخلاق میں
ہماری برتری غیر واضح
اور بہ آسانی زیر بحث
لائی جا سکتی ہے ہو سکتا
ہے کہ ہمارا مذہب لنکا
کے ویدا سے برتر ہو مگر
کیا وہ یونان کے فطرتی
ہمہ اوست یا بدھ مت
کی معراجی روحانیت
سے بہتر ہے ؟ بیچ
امریکی یا آسٹریلیا کے
قبیلوں سے ہماری فنکاری
اگر بہتر ہے تو کیا چین اور
جاوا سے بھی ہم اپنا مقابلہ
کر سکتے ہیں ؟ اگر بعض خونخوار
اور لڑاکو قبیلوں سے ہم
اپنے اخلاق کو بلند پاتے ہیں

"We may be superior in industry, agriculture and trade, but our supremacy in religion, social organization, art, literature and ethics is not apparent and can easily be disputed. Our religion may be superior to the wood Veddas of Ceylon but does it loom above the naturalistic pantheism of Greece or the lofty spiritualism of Buddhism? If our art is superior to that of the tribes of Central America and Australia, can we compare it with the art of China or Java? If we find our ethics better than the ethics of some

pugnacious tribes is not the exalted code of Hindism less flattering to our vanity?" [1]

توکیا ہندومت کا اعلیٰ ضابطہ ہماری شیخت کے لیے ٹھیس پہنچانے والا نہیں ؟

ایک حبشی اور اس کے بچے کی تصویر چھاپ کر سماجی انسانیات سے واقف کار ایک انگریز اخبار نویس نے لکھا تھا۔

"This beautiful picture stands as a lesson to those of us who imagine that all beauty and intelligence belong to the white races. The expression portrayed reminds one of those on the paintings of the Madonna and the child" [2]

یہ خوبصورت تصویر ان تمام لوگوں کے لیے ایک نمونہ ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ تمام عقل اور سندرپن گوری نسلوں کا ٹھیکہ ہے۔ جو ادا اس تصویر میں اجاگر کی گئی ہے وہ "مدونا اور بچے" کی رنگین قلمی تصویروں کی یاد تازہ کرتی ہے۔

ایک حبشی اور اس کے بچے کی تصویر کی تعریف میں "Madonna" یعنے حضرت مریم اور ان کے بچے یعنے حضرت عیسیٰ کا حوالہ دینا ایسی بلیغ اور دلفریب تعریف ہے جس کی بلاغت سمجھنے کے لیے مغربی کلچر یا مغربی تاریخ سے واقفیت لازمی ہے

---

1 Barnes "The History & Prospects of Social Sciences." P 229

2. "The Wonder World Encyelopidia" P. 342

بہرحال سماجی انسانیات تہذیب و تمدن کی نام نہاد برتری کے غلط تصورات
کو دور کرنے میں جس طرح مدد دے سکتی ہے اسی طرح نسلی امتیازوں کے
بہتیرے ڈھکوسلے اس کی واقفیت کی بدولت رفع ہو سکتے ہیں مثلاً خون
کی پاکیزگی "یا خون کا بلکل الگ ہونا" خالص سید ہونے کا دعوی" "شدھ
برہمانیت" یہ اور ایسے ہی دوسرے تصورات (ملائم ترین لفظوں میں)
محض خود فریبانہ خوش خیالی ہے۔ ہاں وہ لوگ بھی قطعی طور پر صحیح نہیں جو
یہ سمجھتے ہیں کہ اگر انسانیات کی تعلیم عام کردی جائے تو بین اقوامی جنگیں ناممکن
ہو جائیں گی۔ اتنا ضرور ہے کہ جس ملک یا جماعت میں انسانیات جاننے
والوں کی قابل لحاظ تعداد ہو گی وہاں نسلی جھگڑے، نسلی برتری پر مبنی
سماجی دشواریاں کم ہو سکتی ہیں۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ سماجی مساوات
کا تخیل پیدا کرنے اور منوانے میں سماجی انسانیات سے بڑی مدد ملتی ہے
اور یہ بجائے خود ترقی کا نشان، ترقی کا ذریعہ اور ترقی کا ثبوت ہے۔ جو
علم ہمیں ترقی پذیر بنانے میں مدد دیتا ہو اس کی افادیت میں کیا شک ہے؟
معاشیات اور قانونیات، سیاسیات اور سماجیات اگر وہ علوم ہیں جن
کے سہارے حق اور انصاف محلوں اور مکانوں، شہروں اور بستیوں
میں پہنچتا ہے تو سماجی انسانیات وہ علم ہے جس نے گھنے جنگلوں، کم
زرخیز پہاڑیوں، سنسان وادیوں، تپتے ہوئے صحراؤں اور برفانی علاقوں
کی منتشر آبادیوں اور دور افتادہ کھیڑوں میں حق و انصاف پہنچایا ہے۔
چنانچہ خود ہمارے ملک میں جو بھی کوشش ان کی رفاہ کاری کے لیے
کی گئی ہے وہ بلا استثنا، ان ہی عہدیداروں کے حسن توجہ کا نتیجہ ہے
جنھیں سماجی انسانیات سے واقفیت اور یہاں کے خام تمدنی قبیلوں

سے دلچسپی تھی۔ چند سال بیشتر تک ان کا کوئی پرسان حال نہ تھا آج ان کی خبرگیری کرنے والا ایک باضابطہ سررشتہ موجود ہے، جس میں ترقی اور توسیع کی توقع سب سے زیادہ سماجی انسانیات جاننے والے ہونہار، شریف اور محنتی افراد سے کی جاسکتی ہے۔ افراد کا ہونہار، شریف اور محنتی ہونا کئی عناصر پر مبنی ہے، مگر خام تمدنی قبیلوں اور آدی باسیوں کی رفاہ کاری کے لیے موزوں واقفیت کا پیدا کرنا سماجی انسانیات کی واقفیت پر منحصر ہے اور یہی اس علم کا سب سے بڑا فائدہ ہے۔

دوسرا حصہ: انسان کی قدامت
اور
قبل تاریخی تہذیب

دُوسرا باب

انسان کی ابتدا اور ارتقا کے مختلف مدارج

اگر ہم انسانی زندگی اور سماجی اداروں کا ساتھ ساتھ مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ نہ تو کبھی زندگی سکون کی حالت میں تھی اور نہ سماج۔ دونو مختلف ارتقائی مدارج سے گزرے اور ان میں وقفہ وقفہ سے برابر تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ یوں تو کلاسکی مفکر اپنے اپنے زمانے میں زندگی کے ارتقائی پہلو پر سوچتے رہے، لیکن ۱۹ویں صدی میں ''ارتقا کا نظریہ'' مکمل طور پر ہمارے سامنے اس وقت آیا جب کہ چارلس ڈارون نے ۱۸۵۹ء میں اپنی کتاب "The Origin of the Species" کے نام سے شایع کی۔ ڈارون بتاتا ہے کہ ارتقای لحاظ سے نئے نئے عضویے وجود میں آتے ہیں اور جن میں فطری ماحول سے مطابقت کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے وہ زندہ رہتے ہیں اور بقیہ فنا ہوجاتے ہیں۔ یہی دراصل

"Survival of the Fittest" یا موزوں ترین کی بقا ہے

انسانیات میں حیاتی اور سماجی دونوں نقطہ نظر سے ارتقا کا نظریہ اہمیت رکھتا ہے۔ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ انسان کے مورثِ اعلیٰ بندر ہیں اور موجودہ انسان بندر کی ارتقائی صورت ہے۔

لیکن یہ خیال غلط ہے۔ ارتقا کا سائنسی مطالعہ بتاتا ہے کہ انسان اور بندر دونوں کے مورث مشترک ہیں۔ اسی چیز کو پروفیسر ہوبل (Hoebel) نے نقشے میں یوں ظاہر کیا ہے۔
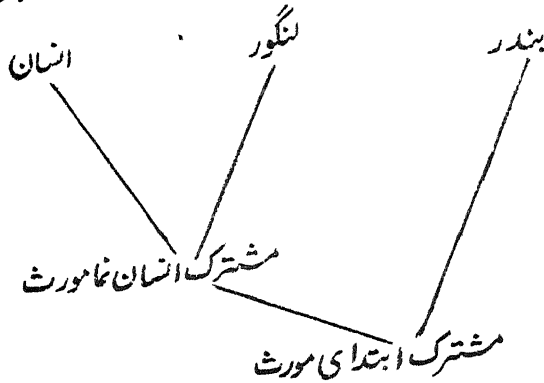
پربھاتی انسان انسان کو موجودہ شکل و صورت اختیار کرنے کے لیے تقریباً آٹھ لاکھ برس لگے۔ گبن، اورانگ

گبن
اورانگ اوٹانگ
گو ریلا
چمپینزی
انسان
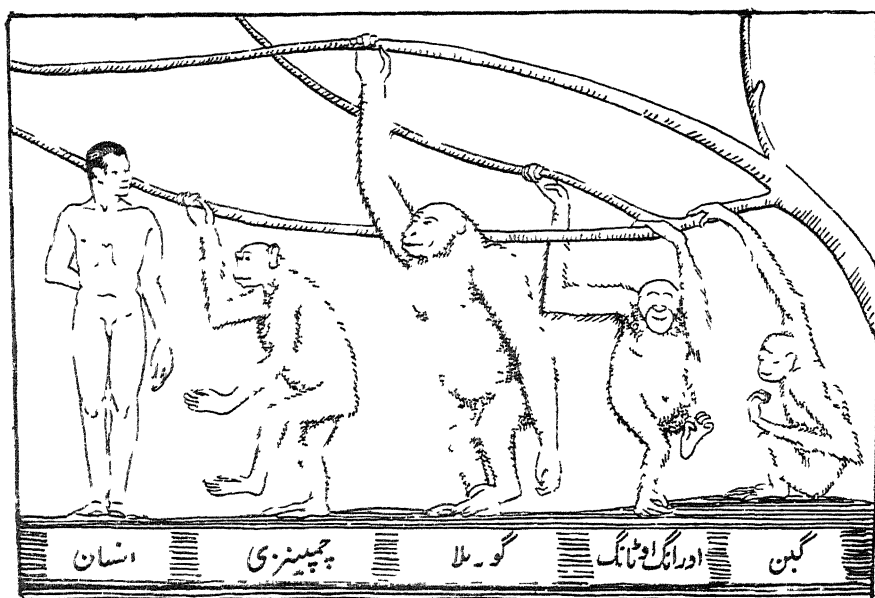
گوریلا اور چمپینزی اس کی ابتدائی شکلیں ہیں۔ پر بھاتی انسانوں میں قبل انسانی اور قریب انسانی ہونے کے لحاظ سے یہ سب سے زیادہ اہم ہیں۔

لنگوری انسان	Australopithecus Africanus
جاوا انسان	Java Man
پیتھکن انسان	Pithecanthropus Precursors
پیکنگ انسان	Peking Man
پلٹ ڈان انسان	Piltdown Man
ہائیڈلبرگ انسان	Heidelberg Man
نینڈرتھال انسان	Neanderthal Man
کرو من یون	Cro-Magnonensis

لنگوری انسان

یہ انسان اور لنگور کی درمیانی ہستی ہے، جو انسان کے مقابلے میں لنگور سے زیادہ ملتی جلتی ہے۔ ۱۹۲۴ء میں جنوبی افریقہ میں سب سے پہلے ایک پتھرائے (fossilized) ہوئے جبڑے اور چہرے کا پتہ چلا۔ اس کے بعد وسطی افریقہ میں مزید ہڈیاں ملیں۔ ان میں ایک پانچ سالہ بچے کی کھوپڑی کی بھی ہڈی تھی۔ دماغ کی حد تک یہ لوگ چمپینزی، اور گوریلا پر سبقت نہیں لے جا سکتے، البتہ چہرے کے کچھ حصے اور دانتوں کی ساخت ان سے بہت بہتر اور انسان کے مشابہ تھی۔

جاوا انسان

۱۸۹۱ء میں ایک ڈچ ڈاکٹر ایوجن دیوبوا (Eugene Dubois) نے جاوا میں ایک کھوپڑی، نیچے کے جبڑے کے ایک ٹکڑے، تین دانت اور ایک ران کی ہڈی کا پتہ چلایا تھا۔ ان کو دیکھ کر قیاس کیا جاتا ہے کہ جاوا انسان کی کھوپڑی کی ساخت گوریلا سے بہت زیادہ بہتر تھی۔ کھوپڑی چوڑی بھویں موٹی اور سامنے کی طرف نکلی ہوئیں، نیچے کا جبڑا وزنی، دہانہ لمبا تھوڑی غائب اور ناک چوڑی اور چپٹی تھی۔ اگرچہ جاوا انسان کی ظاہرا شکل و صورت بلکل آدمی یا سی طرز کی تھی، لیکن دماغی اعتبار سے وہ انسان تھا۔ دماغ کے کچھ حصوں کے مکمل ہونے کی وجہ سے قیاس کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ بات چیت بھی کر سکتے تھے۔
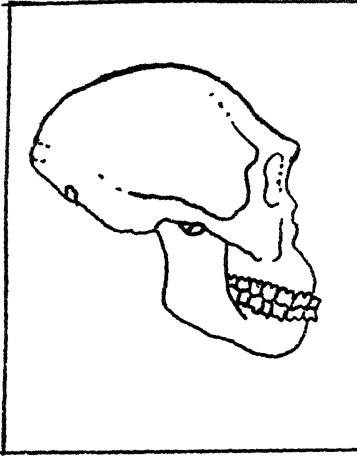
ران کی ہڈی کی ساخت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا قد کافی لمبا تھا، یہ سیدھے بھی کھڑے ہو سکتے تھے اور چل پھر بھی سکتے تھے۔

پیتھکن انسان

دوسری جنگ عظیم سے کچھ پہلے چین میں چار دانتوں کا پتہ چلا تھا جو گوریلا کے دانتوں سے کوئی ڈیڑھ گنے لمبے تھے۔ یہ لوگ پلی اوسین[1]

۱۔ یہ عہد آج سے لگ بھگ ۷۰ لاکھ برس پہلے پایا جاتا تھا۔ اس عہد میں انسان کا وجود نہیں تھا۔

عہد کے آخری حصے میں بستے تھے۔

پیکنگ انسان

چین کے ایک گاؤں کے غار چاوکاوتین (Chou Kou Tien) میں جسم کی چند ہڈیاں اور کئی کھوپڑیاں دستیاب ہوئیں۔ وائڈن رائش (Weidenreich) اور فان کوئیگز والا (von Koenig-swal) نے ان کھوپڑیوں کو دیکھ کر بتایا ہے کہ ان میں جاوا انسان کی بہت زیادہ مشابہت تھی۔ خصوصاً بازو کی ہڈیاں، منہ کی ساخت، پیچھے تک جاتی ہوئی پیشانی اور آنکھیں۔
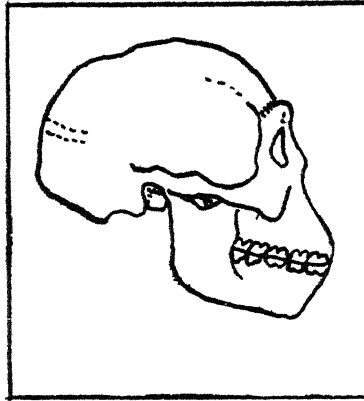
اس غار میں جو کھوپڑیاں ملی ہیں، ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ خونخوار جانوروں کا شکار بنتے تھے۔ ان کے بازوں کی ساخت، انگوٹھوں کی لچک اور ہاتھوں کی بناوٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لوگ آلات و اوزار بنا سکتے تھے۔

یہ لوگ آگ کا استعمال جانتے تھے، جانوروں کا گوشت اور ترکاری استعمال کرتے تھے۔

پلٹ ڈاں انسان

باور کیا جاتا تھا کہ ۱۹۰۹ء سے ۱۹۱۱ء کے درمیان ایک وکیل چارلس ڈاسن (Dawson) نے پلٹ ڈاں انسان کا پتہ چلایا تھا، جن کے پتھراو اتنے ہی پرانے ہیں جتنے کے جاوا اور پیکنگ انسان کے ہیں۔
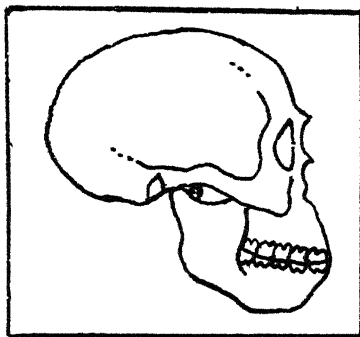
سب سے پہلے اس آدمی کی کھوپڑی
کی ہڈی اور سیدھے طرف کے آدھے
جبڑے کا پتہ چلا تھا۔ کھوپڑی کی ہڈی
دیکھ کر ان کی دماغی ساخت کے بارے
میں حیرت ہوتی تھی۔ نہ صرف مقدار
کے لحاظ سے بلکہ نوعیت کے لحاظ
سے بھی پلٹ ڈاؤن انسان کا مقابلہ موجودہ زمانے کے انسانوں سے
کیا جاتا تھا۔ لیکن جہاں تک جبڑے کی ہڈی کا تعلق ہے وہ بڑا بے
قاعدہ معلوم ہوتا ہے۔ دانتوں کی بے ترتیبی اور ٹھوڑی کی عدم موجودگی
سے اس زمانے کا انسان بندر نما معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے بہت سے
شکی یہ خیال کرتے ہیں کہ جبڑے اور کھوپڑی کی ہڈی اسی نسل سے
تعلق رکھنے والوں کی نہیں۔ اس کے برخلاف بعض سائنس دانوں
کو گماں تھا کہ آج سے لاکھوں برس پہلے جبڑے کی ساخت اس قسم
کی ہوگی۔ اس کے بعد جو تحقیقیں ہوی ہیں اس میں کیتھ (Keith)
کی تحقیق بتلاتی ہے کہ پلٹ ڈاؤن انسان کے دانت اس زمانے
میں ایک عبوری دور سے گزر رہے تھے، لیکن بلکل جدید ترین تحقیق
کے مدنظر باور کیا جاتا ہے کہ پلٹ ڈاؤن انسان کا جبڑا کسی کی شرارت
یا فریب کا نتیجہ ہے، کیوں کہ یہ جبڑا فرضی ثابت کیا گیا۔ یہ خبر پچھلے
سال لندن سے جاری ہو کر مختلف اخباروں میں شایع ہو چکی ہے کہ
پلٹ ڈاؤن انسان کا جبڑا درحقیقت ایک مہا بندر کا جبڑا تھا
اور اس انکشاف کی بدولت ظاہر ہے کہ مطبوعہ انسانیاتی کتابوں میں

پلٹ ڈاؤن انسان کے بارے میں ردو بدل لازمی ہوجائیگی۔

ہائیڈلبرگ انسان

جرمنی کے شہر ہائیڈلبرگ میں ایک نیچے کے جبڑے کا پتہ چلا۔ اگرچہ یہ
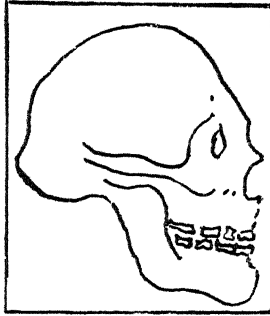
جبڑا بہت لمبا اور وزنی تھا پھر بھی اس کے انسانی جبڑا ہونے میں کوئی شک نہیں۔ سائز کے لحاظ سے یہ جبڑا پلٹ ڈاؤن انسان کے جبڑے سے بہت زیادہ لمبا تھا۔ اسی جبڑے کی ساخت سے پتہ چلتا ہے کہ ہائیڈلبرگ انسان کی تھوڑی نہیں تھی۔ ان کے ڈاڑوں کی ساخت بھی انسان تھی۔

قیاس کیا جاتا ہے کہ ہائیڈلبرگ انسان نیاندرتھال نسل سے بالکل قریبی تعلق رکھتا تھا۔

نے آندرتھال انسان

اس نوع سے تعلق رکھنے والے لوگوں کا پتہ سب سے پہلے ۱۸۴۸ء میں
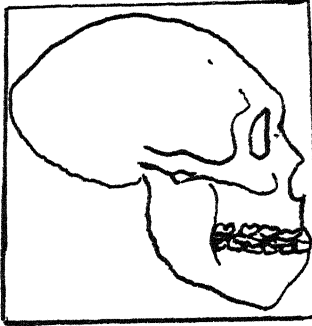
جبرالٹر میں چلا۔ اس کے بعد جرمنی کی نیاندر نامی وادی میں ۱۸۵۶ء میں ایک پوری کھوپڑی ملی۔ جگہ کی مناسبت سے انھیں "نیاندرتھال انسان" کہا جاتا ہے۔

وہ تمام جسمانی خصوصیتیں جو ہم جاوا اور پیکنگ انسانوں میں پاتے ہیں وہ زیادہ تر نیاندرتھال میں ملتی ہیں اگر تھوڑا بہت کچھ فرق ہے تو وہ ارتقای لحاظ سے۔ دماغی ساخت کے اعتبار سے یہ لوگ ان دونوں سے بڑھے ہوئے تھے۔ مقدار کے لحاظ سے

نیاندرتھال انسانوں کا دماغ بالکل موجودہ انسانوں کی طرح تھا، لیکن نوعیت کے اعتبار سے بہت پیچھے۔ دماغ کے سامنے کے حصے کے خراب ہونے کی وجہ سے گوجاوا اور پیکنگ انسانوں کے مقابلے میں نیاندرتھال لوگوں کی پیشانی بہتر ضرور تھی، لیکن ہم لوگوں کے مقابلے میں کسی قدر سامنے کی طرف جھکی ہوی۔

ان کی تھوڑی کی ساخت بہتر ہورہی تھی۔ چہرہ غیر معمولی لمبا اور اُبھرا ہوا تھا۔ ناک چوڑی اور چپٹی۔ گال گول اور بھرے ہوے۔ قد پانچ فٹ چھ انچ لمبا۔ سینہ چوڑا اور چکلہ۔ جبڑوں کی ہڈیاں بڑی اور وزنی، گردن موٹی اور مضبوط۔ آنکھیں دھنسی ہوی۔ ان کی جلد کی ساخت اور اور بالوں کی رنگت کے بارے میں کوئی شہادت نہیں ملتی۔

کرومن یون

کرومن یون کی کوی ایک درجن کھوپڑیاں دستیاب ہویں، جس کی وجہ سے ان کے بارے میں قیاس آرای کرنے میں سہولت ہوتی ہے۔

۱۸۶۸ء میں جنوبی فرانس کے ایک گاؤں کرومن یون میں سب سے پہلے اس نوع سے تعلق رکھنے والے انسانوں کا پتہ چلا۔ عام طور پر ان لوگوں کی کھوپڑی لمبی اور وزنی ہوتی تھی۔ پیشانی موجودہ انسانوں کی طرح اونچی اور چوڑی، بھویں سامنے کی طرف نکلی ہوی نہیں تھیں بلکہ ان کی ساخت کافی اچھی تھی۔ ان کی ناک تنگ اور اونچی اور تھوڑی واضح تھی۔

ان لوگوں کا قد کوئی پانچ فٹ گیارہ انچ تھا۔ جسمانی اعتبار سے یہ کافی تنومند تھے۔

تیسرا باب

قبل تاریخی تمدن

انسان اپنے جسمانی ارتقا کے لحاظ سے چاہے کسی درجے پر ہو تمدن کی کچھ نہ کچھ نشانیاں اس کے ساتھ وابستہ رہی ہیں۔ انسان اور تمدن کو کبھی الگ نہیں کیا جاسکتا۔ احتیاجوں اور خواہشوں کی تکمیل ہی وہ اساسی محرک ہے جس کی بنا پر انسان کسی نہ کسی چیز کی دریافت اور استعمال پر مجبور رہے۔ ساتھ ہی بقا کے لیئے فضا سے ہم آہنگی ضروری ہے وہ مہا بندر اور لنگور جن کی جسمانی ساخت مکمل نہیں ہوی تھی، جن کا دماغ پختہ نہیں تھا، جن میں محفوظ رکھنے، مشاہدہ کرنے اور اپنے خیالوں، احساسوں اور جذبوں کو منتقل کرنے کی صلاحیت نہیں تھی وہ مختلف چیزوں کو سیکھنے، ضرورت کے مطابق ڈھالنے اور استعمال کرنے کی قابلیت ضرور رکھتے تھے۔ وہ پتھروں کو ہتوڑے کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ لکڑیوں کو گاڑ کر ان پر سے کودتے اور احاطہ بندی کرتے تھے۔

گو ان کی یہ جد و جہد بالکل معمولی اور ابتدائی نوعیت کی تھی، لیکن یہ تمدن کا وہ اہم جز ہے جس کی اساس پر آگے چل کر نئے نئے اوزار بننا شروع ہوئے۔ بہرحال یہ تمام کوششیں جو تمدن کی تشکیل میں مدد دیتی ہیں نہ تو پیدائشی ہیں اور نہ جبلی بلکہ ان کی نوعیت مثل تمدنی یعنے Protocultural ہوتی ہے۔

قطعی طور پر یہ کہنا مشکل ہے کہ کس خاص زمانے سے آلات و اوزار اور دیرپا استعمالی چیزیں بننا شروع ہوئیں، کیوں کہ ابتدائی انسانوں نے اپنا کوئی ریکارڈ نہیں چھوڑا۔ فن تحریر سے ناواقف ہونے کی وجہ سے نہ تو فطرت سے جد و جہد کرنے کے متعلق ان کی کوششوں کا پتہ چلتا ہے۔ اور نہ ماحول سے مطابقت کرنے کی کاوشوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ البتہ قدیمیات کی دریافتوں نے جن آلات، اوزار اور ہتھیار کا پتہ چلایا ہے ان کو دیکھ کر قیاس کیا گیا ہے کہ کس خاص زمانے میں انسان نے اس قسم کے ہتھیاروں کو استعمال کیا ہوگا۔ چنانچہ اسی بنا پر تمدن کو ان اہم دوروں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

۱ - پربھاتی پتھر جگ — The Dawn Stone Age

۲ - پرانا پتھر جگ — The Old Stone Age

i - نچلا پرانا پتھر جگ — The lower Old Stone Age

(الف) چیلیائی — Chellean

(ب) آچیلیائی — Acheulean

ii درمیانی پرانا پتھر جگ — The Middle Old Stone Age

iii اوپری پرانا پتھر جگ — The Upper Old Stone Age

(الف) آرگنائی[1] Aurignacian

(ب) سلوتری[1] Solutrean

(پ) میگڈیلیائی[1] Magdalenian

۳- بیچ پتھر جگ The Mesolithic Age

۴- نیا پتھر جگ The New Stone Age

پربھاتی پتھر جگ

اس زمانے کی مادی تمدن کی نشانیاں قبل انسانی اور قرب انسانی ہاتھوں کی بنای ہوی ہیں جو مای اوسین (Miocene) پلی اوسین (Pliocene) اور پل اس ٹوسین (Pleistocene) عہد کے ابتدای حصے میں پاے جاتے تھے مشرقی انگلستان کے ایک قصبے برام فورڈ (Bramford) میں جن پتھروں کا پتہ چلا تھا ان کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ انھیں کسی انسانی ہاتھوں نے بنایا تھا۔ ان پتھروں کو ایک طرف پیٹ کر خوب چپٹا کیا گیا تھا۔ غرض اس زمانے کے فلنٹ (Flint) بھی بڑے بھدے طریقے پر بناے گئے تھے تب ہی تو یہ قیاس کرنا درست ہے کہ بعض جانوروں کے پیروں تلے دب کر، بعض گرتے ہوے درختوں کے نیچے کچلے جاکر اور/یا بعض چٹانوں کے آپسی ٹکراو کی وجہ سے بھی فلنٹ (چقماقی ہتیار) میں تبدیل ہو گئے ہونگے۔ بہرحال جاوا اور پلٹ ڈان انسانوں کے آباو اجداد ان فلنٹوں کو اوزاروں اور ہتھیاروں کی شکل میں تبدیل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ان آلات و اوزار کے بنانے کے لئے عام طور پر

---

[1]- یہ تمام نام مقام کے ناموں کے لحاظ سے رکھے گئے ہیں اور یہ سب فرانس اور/یا اسپین میں واقع ہیں۔

فنا پذیر مادہ استعمال کیا جاتا تھا۔ اب بھی غذا بٹورنے والے گروہ جو لکڑی گڈوں کی کھدائی کے لیے استعمال کرتے ہیں وہ اسی جگ کی نشان دہی کرتی ہے۔ اسی عہد میں لوگ آگ کا استعمال کرتے تھے۔

پربھاتی پتھر جگ کو "Eolithic Age" بھی کہا جاتا ہے "eos" کے معنے "dawn" اور "lithos" کے معنے "Stone" کے ہیں۔

پرانا پتھر جگ

اس جگ کو تمدنی ترقی، آلات واوزار کی بناوٹ اور ان میں اضافے اور درستی کی بنا پر تین حصوں (نچلا پرانا پتھر جگ، درمیانی پرانا پتھر جگ، اوپری پرانا پتھر جگ) میں تقسیم کیا جاتا ہے پھر ہتھیاروں کی بناوٹ کو دیکھتے ہوئے نچلے اور اوپری پرانے پتھر جگ کو مزید ذیلی حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ نچلے پرانے پتھر جگ کے آلات واوزار نیانڈرتھال لوگوں کے بنائے ہوئے ہیں۔ اس عہد کی وافر نشانیاں یورپ اور افریقہ میں ملتی ہیں خصوصاً کلہاڑیاں فرانس میں اور ہیا چٹ[1] (Hatchet) جنوبی افریقہ اور ہندستان میں اس جگ کی سب سے زیادہ نمایاں چیز کلہاڑی ہے۔ قبل آچیلیائی زمانے میں اس ہتھیار کی کوئی خاص وضع نہیں تھی اس لیے چیلیائی عہد میں اس کو بہتر ٹکنیک کے ذریعے زیادہ موزوں بنایا گیا۔ آچیلیائی عہد میں یہ بہت زیادہ ہلکی اور صاف ہوگئی۔ سیپیوں کی دریافت سے پتہ چلتا ہے کہ لوگ اس کو بطور زیور استعمال کرتے تھے۔

درمیانی پرانے پتھر جگ کو ماوسٹیرین (Mousterian)

۱۔ کلہاڑیوں ہی کی طرح کا ایک اوزار۔
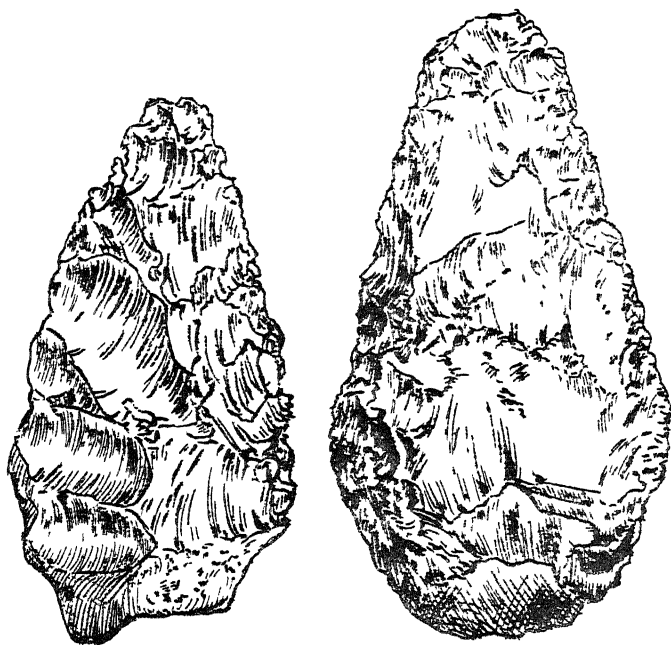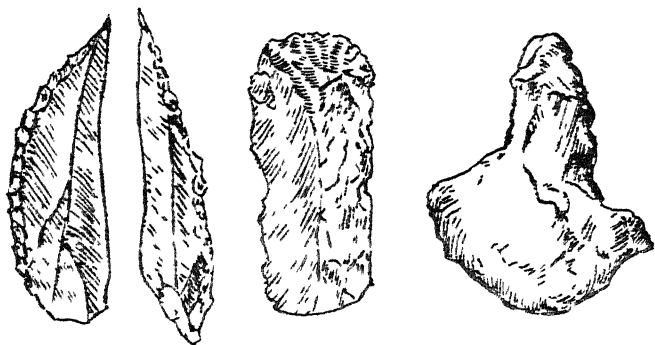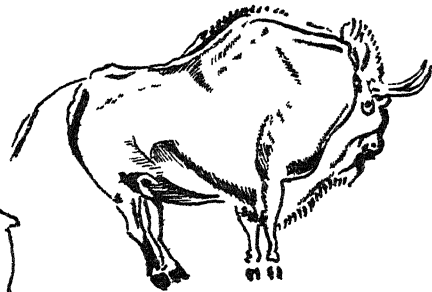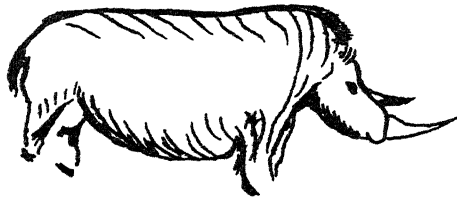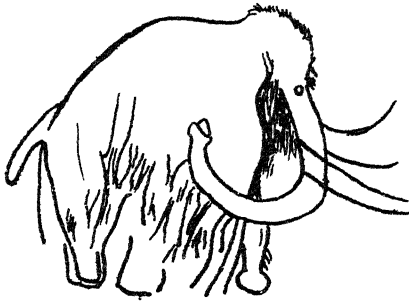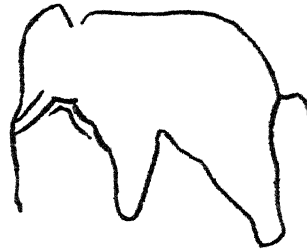
بھی کہا جاتا ہے۔ اس زمانے میں ہتھیاروں کو بار بار کاٹنے اور درست کرنے کی وجہ سے کنارے بہت تیز ہو گئے تھے۔ لباس، گھر اور کشتیوں کے بنانے میں بھی بہت کچھ ترقی ہوی تھی۔ پتھر اور ہڈیاں زیوروں کے بنانے کے لیے استعمال کی جاتی تھیں۔

اوپری پرانے پتھر جگ میں انسان کی جسمانی حالت مکمل ہو چکی تھی۔ غور و فکر اور سوچ بچار کے طریقے نیا روپ اختیار کر رہے تھے۔ اس نے پتی (blade) کی شکل کا ایک نیا ہتھیار ایجاد کیا تھا جو کافی پتلا اور تیز تھا۔ آرگنای عہد میں اس ہتھیار کو دستہ لگایا گیا۔

سالوتری عہد میں لوگ آرٹ اور فن کی طرف زیادہ توجہ کر رہے تھے۔ اِس زمانے کی غاروں کی مصوری کافی نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔ ہارپون (Harpoon) پر نقاشی کی جاتی تھی اور روزمرہ کے استعمال کی چیزوں پر بڑے خوبصورت ڈزائن بنائے جاتے تھے۔ فلنٹ کے بنانے میں تو یہ لوگ ماہر ہی تھے۔

آرٹ کے نقطہ نظر سے اگر ہم پرانے پتھر جگ پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد میں لوگوں میں جمالیاتی ذوق کافی ترقی کر چکا تھا۔ ان کی مصوری، کھدای، نقش و نگار اور مورت گری قابل تعریف ہے۔ جنگلی گایوں، ریچھوں اور گھوڑوں وغیرہ کی تصویریں۔ غاروں کی دیواروں، اور چھتوں پر بنای جاتی تھیں۔ ان لوگوں نے بعض تصویریں تو ایسی بنای ہیں جن کے دیکھنے سے سارا منظر سامنے آتا ہے۔

آرگنای عہد میں زیادہ تر عورتوں کی تصویریں بنای جاتی تھیں۔ ان میں زیادہ تر حاملہ عورتوں کی تصویریں ہوتی تھیں۔ اس جگ کا

سب سے مشہور مجسمہ وینس آف ولنڈراف (Venus of Willendorf) ہے۔ اگرچہ اس مجسمہ میں کافی غلو سے کام لیا گیا ہے پھر بھی اس کا شمار بہترین مجسموں میں کیا جاتا ہے۔

بیچ پتھر جگ

یہ دراصل ایک عبوری دور ہے۔ اس عہد میں ہم پرانے پتھر جگ کی کئی چیزیں ختم ہوتے اور نئے پتھر جگ کی ایجادوں کو ابھرتے دیکھتے ہیں۔ یہ عہد بہت کم عرصے تک رہا۔ جادو اور مذہب کے زور سے جنگلی جانوروں کو قابو میں لایا جاتا تھا۔ اس زمانے کا انسان اپنی سمجھ کا زیادہ سے زیادہ استعمال کر رہا تھا۔ وہ نئی نئی ایجادوں کا موجد بن کر گویا تہذیب و تمدن کی چوکھٹ پر کھڑا تھا۔

نیا پتھر جگ

یہ عہد تقریباً سو سال رہا۔ اس عرصے میں ہم پرانے پتھر جگ کی لاکھوں سال کی ایجادیں مکمل حالت میں دیکھتے ہیں۔ اس جگ میں ایک کے بعد دوسری تعجب خیز ایجادیں ہونے لگیں، جس سے انسان کے انقلابی ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

اس عہد میں پودوں اور جانوروں کی نگہداشت سب سے نمایاں ہے ذاتی گھروں اور باغوں میں پودوں کو بویا جاتا تھا۔ ان کی دیکھ دیکھ کی جاتی تھی اور انھیں پروان چڑھایا جاتا تھا تاکہ احتیاج کے وقت معاشی ضرورت پوری ہو سکے۔ عام طور پر بارلی، گیہوں، باجرہ، جوار اور مسور کی کاشت کی جاتی تھی۔ اسی کاشتکاری کی بدولت شکاری اور خانہ بدوش ایک مرکز پر جمع ہو کر کھیتوں اور باغوں کی نگرانی کرتے

تھے جو یقیناً غذا بٹورنے اور شکار کی تلاش میں مارے مارے پھرنے سے بہتر طریقہ تھا۔ مستقل سکونت کی وجہ سے گانؤ کی زندگی، سماجی تعاون اور سماجی کنٹرول وجود میں آیا۔ آگے چل کر آبادی کے اضافے کے بعد تقسیم عمل کا رواج بھی شروع ہوا۔ سن اور ریشوں سے چرخہ کاتا جاتا تھا۔ کتوں، بھیڑوں، بکریوں، سوروں، گھوڑوں اور گایوں کی پرورش کی جاتی تھی۔ شکاریوں کے کیمپ اور غاروں کی بجائے ہمیں اصطبل اور باغ نظر آتے ہیں۔ اس طرح شہری تہذیب کی بنیاد پڑی۔

نئے پتھر جگ کی دوسری امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس زمانے میں لوگوں نے معلوم کیا کہ کس طرح مٹی کو برتن کی شکل میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ چناں چہ اس عہد میں لوگوں نے مٹی کے برتن بنانے شروع کئے۔ ان میں پائداری اور سختی پیدا کرنے کے لیے انھیں پکایا جاتا تھا اور خوب صورت بنانے کے لیے بیل بوٹے بنائے جاتے تھے۔

اب لوگ جانوروں کی کھال کے بدلے پودوں کے ریشوں سے لباس تیار کرنے لگے تھے۔

لکڑی، مدلے، کیچڑ اور گھاس پھوس کے استعمال سے گھروں کی تعمیر کی جانے لگی تاکہ موسمی اثرات سے محفوظ رہ سکیں۔

لکڑی سے تیر و کمان بھی بنائے جاتے تھے۔ یہ تیر و کمان شکار اور جنگ دونوں مقصدوں کے لیے استعمال کیے جاتے تھے۔

پانی لانے لیجانے کے لیے لکڑی کے مدلوں کو کھوکھلا کر کے استعمال کیا جاتا تھا، جس کی وجہ سے ڈونگوں کی ایجاد عمل میں آئی۔

پتھروں کے اوزاروں اور ہتھیاروں کو چپ (Chip) کرنے

کا طریقہ اس عہد میں بھی جاری رہا، مگر اس کے علاوہ ایک نئی ٹکنیک عمل میں آئی وہ پالش کرنے اور پسائی کا طریقہ تھا۔

اس دور کی سب سے اہم ایجاد لکھنے کا فن ہے۔ اس جگ سے پہلے لوگوں کی زبان ضرور تھی، لیکن صرف مہذب لوگوں کے ہاں ہی تحریری زبان پائی جاتی تھی۔ نئے پتھر جگ سے پہلے لوگ لکھائی کی زبردست قوت سے ناواقف تھے۔

نئے پتھر جگ تک آکر پتھر کے اوزاروں اور ہتھیاروں کی داستان ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد انسانی تمدن، اس کے آلات و اوزار، اس کی سماجی زندگی اور روزمرہ استعمال میں آنے والی چیزوں کا حال ہمیں دھاتوں سے ملتا ہے، جنھیں تین عہد میں تقسیم کیا گیا ہے۔ تانبہ جگ، کانسہ جگ اور لوہا جگ۔ ان جگوں کی تفصیل میں جانے کی یہاں ہمیں چنداں ضرورت نہیں۔

تیسرا حصہ: انسانی نسلیں

چوتھا باب

نسل

نسل کا مفہوم: سماجی انسانیات میں نسل کے موضوع کو نمایاں اہمیت حاصل ہے۔ عام طور پر بھی جب لوگ نسل سے متعلق کچھ کہتے اور سوچتے ہیں تو ان پر جذبات کا رنگ غالب آجاتا ہے اور اکثر برتری اور کمتری کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ عوام کے اس رجحان کو دیکھتے ہوئے انسانیات کے ماہروں نے اس اصطلاح کو زیادہ سے زیادہ سائنسی طریقے پر بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ پروفیسر ہرسکووٹس (Herskovits) نے اپنی مشہور کتاب "Man and his Works" میں نسل کی تعریف اس طرح کی ہے۔

نسل نوع انسانی کی ایک تقسیم ہے اور وہ چند جسمانی خصوصیات کی وجہ سے جو پیڑی بہ	"A race is a principal division of mankind, marked by physical

کافی فرق ہوتا ہے۔ان ہی گوناگوں اسباب کی بنا پر ہوٹبل نے ٹھیک بتایا ہے کہ درون خاندان شادی کا رواج چند جسمانی اوصاف کا خاص ڈھب سے اکٹھا ہونا اور ان اوصاف کا پیڑی بہ پیڑی نمودار ہونا یہی وہ عامل ہیں جن کی بنا پر نسل کا تعین کیا جاتا ہے۔

جہاں تک درون خاندان شادی یا Inbreeding کا تعلق ہے وہ بڑی حد تک علیٰحدگی اور محدود نقل پذیری کا نتیجہ ہے جو جغرافیائی بھی ہوتی ہے اور سماجی بھی۔ سمندروں، پہاڑوں اور دوسرے طبعی عنصروں کی وجہ سے میل ملاپ کی کمی دراصل جغرافی علیٰحدگی کا نتیجہ ہے اس کے برعکس گوت بیاہی طریق سراسر سماجی علیٰحدگی پر مبنی ہے مثال کے طور پر نیگروں اور امریکیوں کو لیجئے یا ہمارے برہمنوں اور شودروں کو۔ ہر صورت میں کوی ایک دوسرے سے شادی بیاہ پر راضی نہیں جس کی وجہ سے سماجی علیٰحدگی کا پیدا ہونا لازمی ہے۔

نسل کا تعین کرنے والا دوسرا عامل جسمانی اوصاف کا امتیازی ملواں پن (distinctive combination of physical trait) ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ دنیا میں کوی انسانی گروہ ایسا نہیں جس میں اس نسل کے سارے جسمانی ٹریٹ موجود ہوں۔ ہر ملک اور ہر خطے میں کالے اور گورے موٹے اور دُبلے، ٹھنگنے اور لمبے برابر ملتے ہیں۔ اصل چیز اختلاف ہے۔ بونوں کے متعلق کیا جاتا ہے کہ وہ چھوٹے قد کے ہوتے ہیں، لیکن ہر بونے کے لیے چھوٹے قد کا ہونا ضروری نہیں۔آب و ہوا اور موسم، غذا اور رہن سہن کی وجہ سے بھی جسمانی ساخت میں تبدیلیاں ہوتی ہیں۔

جس حد تک خالص پیدائش کا تعلق ہے اس کے بارے

یں صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ دنیا میں کوئی خالص نسل نہیں، جیسا کہ
لوی (Lowie) نے اپنی کتاب "An Introducation
to cultural Anthropology" میں بتایا ہے۔

کوی نسل خالص نہیں رہی ہے البتہ بعض دوسروں سے کم ملواں ہیں۔ قطعی طور پر خالص نسلوں کا کہیں وجود نہیں ہے۔	'No race has remained pure, though some are less mixed than others. Obsolutely pure races no longer exist."

انسانی نسلوں کی تقسیم

انسانیات کے ماہروں نے انسانی نسل کی تقسیم تین حصوں میں
میں کی ہے۔

۱۔ مثل کوکیشیا ی (Caucasoid)
۲۔ مثل منگولیا ی (Mongoloid)
۳۔ مثل نیگرو (Negroid)

یہ تقسیم دراصل سب سے زیادہ واضح جسمانی خصوصیتوں پر مبنی ہے جیسے ناک کی سائز، بالوں کا گھنگریالاپن، ہونٹوں کی موٹائی، قد کی درازی اور آنکھوں کی وضع وغیرہ۔ ان ہی جسمانی خصوصیتوں میں تھوڑے بہت اختلاف کی وجہ سے ان تین بڑی نسلی قسموں کی اور چند ذیلی قسمیں کی گئی ہیں۔

۱۔ مثل کوکیشیا ی (Caucasoid)

i نارڈی — Nordic

ii بیچ سمندری — Mediterranean

iii الپائنی — Alpine

۲ - مثل منگولیای — Mongoloid

i ایشیائی — Asiatic

ii اوشینیای — Oceanic

iii امریکندی — Amerind

۳ - مثل نیگرو — Negroid

i افریقی — African

ii اوشینیائی — Oceanic

iii نیگریٹو — Negrito

اس تقسیم اور ذیلی تقسیم کے علاوہ اور چند نسلیں ایسی ہیں جن کو کسی خاص نسل کے تحت بیان نہیں کیا جاسکتا۔ ان میں خاص طور پر اہم آسٹریلیای (Australian) آئینو (Ainu) پولنیشیائی (Polynesian) اور بُشمن (Bushmen) ہیں

مثل کاکیشیای (Caucasoid)

جسمانی خصوصیتوں کے لحاظ سے نسلی جماعتوں میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ رنگ کے لحاظ سے بھی زبردست فرق پیدا ہوتا ہے۔ ایک گورے رنگ ہی میں کتنا اختلاف ہوتا ہے۔ شمالی یورپ اور اسکنڈینیویا

مثل منگولیای

مثل کوکیشیای

مثل نیگرو
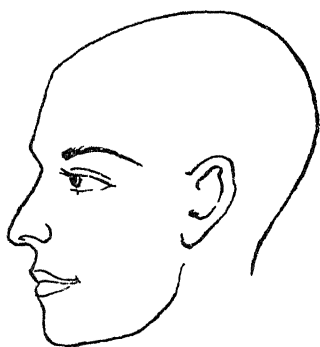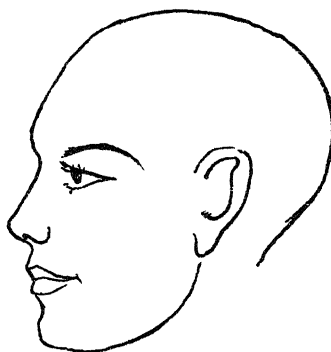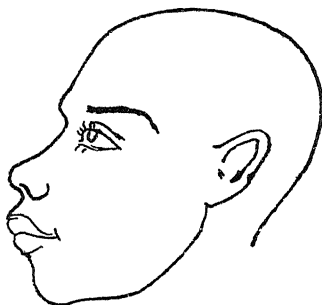
آئینو
نار وی
الپائنی
امریکندی
ایشیای
مالینشیای
بیچ سمندری
پولینشیائی
کوکیشیای
منگولیای
بشمن
آسٹریلیای
اوشینیائی
نیگریٹو
افریقی
نیگرو
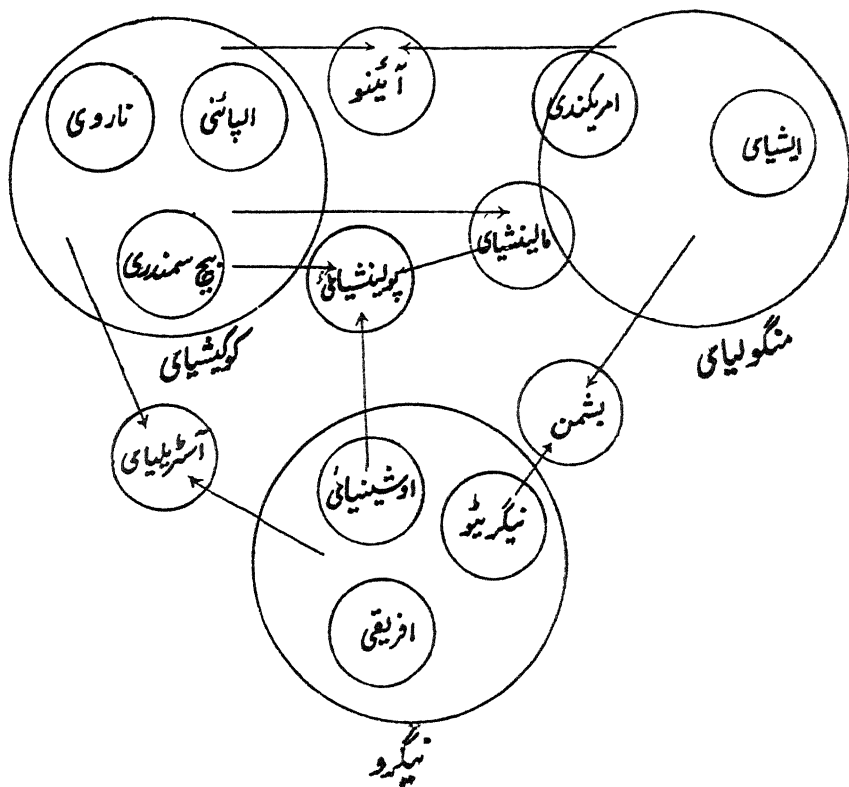
کے باشندوں کا جو رنگ ہوتا ہے بالکل اسی طرح کا رنگ بیچ سمندری (Mediterranean) لوگوں کا نہیں ہوتا۔ آنکھوں کی رنگت میں بھی فرق ہوتا ہے۔ بعض کی آنکھیں بہت نیلی ہوتی ہیں اور بعض کی کم اسی طرح بال بھورے، کالے گھنگریالے اور سیدھے ہوتے ہیں۔ ناک عام طور پر چھوٹی اور اونچی ہوتی ہے۔ بہت ہی کم لوگوں کی چوڑی اور دبی ہوی نظر آتی ہے۔ پیشانی عام طور پر ڈھلوان ہوتی ہے۔ ہونٹ پتلے اور قد اونچا۔

کاکیشیای نسل کی ذیلی تقسیم میں الپائنی نسل کے لوگوں کے چہرے چوڑے اور چکلے ہوتے ہیں۔ آنکھوں اور بالوں کی رنگت بھوری اور کالی ہوتی ہے۔ ناک کسی قدر چوڑی، جسم وزنی اور قد کاکیشیائیوں کے مقابلے میں چھوٹا ہوتا ہے۔

بیچ سمندری (Mediterranean) لوگوں کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ بچپن میں دبلے پتلے اور چھریرے جسم کے ہوتے ہیں، مگر جوانی میں موٹے ہوجاتے ہیں۔ ان کے بال کالے اور خوب صورت ہوتے ہیں۔ آنکھیں بھوری اور جلد کی رنگت سفید ہوتی ہے۔

نادریوں میں رنگ کی کمی ہوتی ہے۔ ان کی آنکھیں نیلی ہوتی ہیں، چہرہ تنگ ہوتا ہے، جس میں جبڑے اور ٹھوڑی نمایاں۔ ان کا قد لانبا، سینہ کشادہ اور بدن چھریرا ہوتا ہے۔

مثل منگولیای: (Mongoloid)

منگولیای نسل کی جسمانی خصوصیتوں میں سب سے نمایاں آنکھوں

کا "epicanthic fold" ہے یعنے چوندھیائی ہوئی۔
پتہ دار آنکھیں۔ ان کی جلد کا رنگ بھورا بھی ہوتا ہے اور کسی قدر پیلا بھی۔
آنکھیں بھوری، بال کالے اور قد چھوٹا۔

مثل نیگرو یا مثل حبشی (Negroid)

تمام انسانی نسلوں کے مقابلے میں حبشیوں میں رنگ کی بہت
زیادتی ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کی رنگت کالی ہوتی ہے۔ ان لوگوں
کے بال کالے، سخت، گھنے اور گھنگریالے ہوتے ہیں۔ ناک چوڑی اور چپٹی۔
ہونٹ بہت موٹے اور الٹے ہوئے۔

نسلی تعصب

ڈر، شبہ یا معاشی مفاد ایسے عنصر ہیں جس کی بنا پر ایک
جماعت علیٰحدگی اختیار کرتی ہے اور دوسری جماعت کو امتیاز کا موقع
ملتا ہے۔ جب یہ امتیاز اور علیٰحدگی ایک طویل عرصے تک جاری رہتی
ہے تو لازماً سماجی اور معاشی لحاظ سے فوقیت حاصل ہوتی ہے۔ ایسی
حالت میں ایک جماعت کو پڑھنے لکھنے، ہنرمند بننے اور اونچے معیار پر
زندگی بسر کرنے کے موقعے ملتے ہیں تو دوسری نکبت، جہالت، تنگ دستی،
بیماری اور مایوسی کی حالت میں غلیظ بستیوں اور کچے گھروں میں
اپنا جیون بتاتی ہے۔ حاکم طبقے کے پیش نظر ذاتی مفاد، ذاتی آرام
اور ذاتی خوش حالی ہوتی ہے۔ وہ ان چیزوں کو حاصل کرنے کے لیے

مجبوروں اور بے کسوں کی محنت سے بے جا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یہی چیز ہم امریکیوں میں پاتے ہیں۔ نیگرو یا حبشی غلام کی حیثیت سے امریکہ میں داخل ہوئے تھے۔ لہٰذا اپنے مالک کی خدمت کرنا ان کا شعار تھا اور ان سے جانوروں کا سا سلوک کرنا مالکوں کا نصب العین۔ ان کی جان اور جانداری کوئی قیمتی چیز نہیں تھی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نیگرو جہالت اور مفلسی میں مبتلا اپنی قسمت میں آئی ہوئی اجرت پر قانع ہو کر جی رہے تھے۔ بالآخر خانہ جنگی کی بدولت غلامی کا زور ٹوٹا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا حقیقت میں امریکیوں کو حبشیوں پر فوقیت حاصل ہے؟ اگر واقعی وہ نسلی لحاظ سے برتر ہیں تو ان کی برتری کس چیز میں پوشیدہ ہے؟

جہاں تک جسمانی ساخت کا تعلق ہے کسی نسل کو فوقیت حاصل نہیں۔ اتنا ضرور ہے کہ اعضا کی بناوٹ کے لحاظ سے ایک دوسرے میں فرق ضرور پایا جاتا ہے، لیکن اتنا نہیں کہ ہم اس کو نسلی کمتری کا باعث سمجھیں۔ عام طور پر متعصب عامی جاپانیوں کو بندروں اور اور نیگروؤں کو لنگوروں سے وابستہ کرتے ہیں لیکن انسانیات کا سائنٹیفک مطالعہ بتاتا ہے کہ بندر اور لنگور دونوں مختلف نوع سے تعلق رکھتے ہیں۔

جسمانی بو پر بھی نسلی برتری اور کمتری کو منسوب کیا جاتا ہے لیکن یہ غلط مفروضہ ہے۔ اگر یورپی، چینیوں کی جسمانی بو سے کراہت کرتے ہیں تو چینیوں کے لیے بھی ان کے جسم کی بو خوش گوار نہیں ہوتی۔ گورے اور کالے کا فرق بھی اپنی اپنی پسند پر موقوف ہے۔

سائنسی، میکانی، تعلیمی اور مادی جد و جہد کی ترقی کو نسلی

برتری کا باعث سمجھا جاتا ہے۔ یہ ہم جانتے ہیں کہ ایک زمانہ وہ بھی تھا جب کہ یوروپی جہالت اور بربریت میں زندگی گزارتے تھے اور مصر و روم اپنے انتہائی عروج پر تھے۔ موجودہ زمانے میں بھی امریکہ اور روس کی ترقی ان کی نسلی برتری کا سبب نہیں۔ قومیں ترقی کرتی ہیں اور فنا ہو جاتی ہیں۔ تبدیلی قدرت کا اٹل قانون ہے۔ عروج و زوال لازم و ملزوم ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ نسلی لحاظ سے کسی کو کسی پر برتری حاصل نہیں۔

اگرچہ نسلی برتری کی وجہ سے بہت سے لوگ مصیبتیں بھگت چکے ہیں اور بھگت رہے ہیں۔ پھر بھی یہ حقیقت ہے کہ غالباً سب سے زیادہ جس قوم نے نسلی امتیازوں کی وجہ سے ایک دو سال نہیں بلکہ صدیوں مصیبتیں جھیلی ہیں اور رہ رہ کر ہر صدی میں کہیں نہ کہیں اس پر آفتیں ٹوٹ پڑی ہیں وہ یہودی ہیں۔

نیچ عہد میں اگر یہودیوں کو زندہ جلایا جاتا تھا یا ان پر من ملنے الزام لگا کر ہلاک کیا جاتا تھا تو رینے سانس (Renaissance) کے بعد بھی ہر ملک میں انہیں اتنا پریشان کیا جاتا تھا کہ بعض مرتبہ ان کی جان کے لالے پڑ جاتے تھے۔ اتنی بار اور اتنے صریحی طور پر یہودیوں کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کیا گیا کہ اس کے لیے یوروپی زبانوں میں ایک خاص لفظ پوگرام (Pogrom) استعمال کیا جاتا ہے، جس سے مراد وہ قتل عام ہے جو فوری اشتعال کے تحت اور حکومت وقت کے اشاروں یا امداد یا بہر صورت حکمران طبقے کی نیم رضامندی سے عمل میں لایا جاتا ہو۔ بطور خاص پوگرام (Pogrom) کا لفظ زاری روس میں یہودیوں پر ڈھائے ہوئے مظالم کے لیے اور روسی

یہودیوں کے قتل عام کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، مگر وہ کسی صورت میں
صرف سامراجی روس کی حد تک محدود نہیں۔ نازی جرمنی نے جس طرح
یہودیوں پر منظم، باقاعدہ اور خاص اہتمام کے ساتھ مظالم ڈھائے ہیں
وہ ۲۰ ویں صدی کی تہذیب اور انسانیت پر تاریخ کا سب سے بڑا کلنک
ہے۔ اسی سلسلے میں وہ تصویر توجہ کے لائق ہے جو چند سال قبل شایع
ہوی تھی۔ یہ تصویر ایک حقیقی پولستانی پناہ گزین کی ہے جو اپنے
وطن سے ملک بدر ہو کر ایک نئے ملک کی تلاش میں ہراساں اور سرگرداں
پھر رہا ہے۔ یہ تصویر ان تمام مصیبتوں اور اذیتوں، تکلیفوں اور ناانصافیوں
نیز ان مظالم کی بھی ترجمانی کر رہی ہے جو نہ صرف اس پر بلکہ اس کی نسل
پر ڈھائے گئے تھے۔

چوتھا حصّہ: آدی باسیا

پانچواں باب

آدی باسیانہ سماجوں کی معیشت

زندگی کی بقا کے لیے غذا کی ضرورت ہے اور بھوک ہی وہ بنیادی محرک ہے جس کو پورا کرنے لیے انسان تاریخ کے ہر دور اور تمدن کے ہر درجے میں معروف نظر آتا ہے۔ اتنا ضرور ہے کہ تمدن کے اعتبار سے غذا حاصل کرنے کی ٹکنیک مختلف رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کہیں ہمیں غذا اکٹھا کرنے والے (food gatherers) نظر آتے ہیں تو کہیں شکاری، کہیں چرواہے تو کہیں زراعت پیشہ۔ بہر حال جہاں تک غذا حاصل کرنے کی ٹکنیک کا تعلق ہے اس کو ہم دو بڑے حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

(۱) غذا جمع کرنا (Food Gathering)

(۲) غذا پیدا کرنا (Food Production)

غذا جمع کرنے کی ٹکنیک میں سراسر قدرت کے پیدا کردہ ذریعوں

سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے اور اس میں انسانی محنت اور بیرونی طاقت کا مطلق دخل نہیں ہوتا۔ اس کے برخلاف غذا کی پیدائشی ٹکنیک میں کھیتی باڑی اور جانوروں کی پرورش بھی شامل ہے جس کی وجہ سے لازمی طور پر غذا میں اضافہ ہوتا ہے۔

غذا جمع کرنے والوں کو اور کئی حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے جس میں شکار کرنے، مچھلی پکڑنے، پھل پھول اور شہد اکٹھا کرنے والے شامل ہیں۔ کسی بھی تمدن سے تعلق رکھنے والے لوگ ان طریقوں میں سے محض کسی ایک کو اپنا کر زندگی نہیں گزار سکتے بلکہ کسی ایک ٹکنیک کے علاوہ وہ دوسری چیزیں غذا کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر کیلی فورنیا میں بسنے والوں کے پاس شکار کی بہت اچھی ٹکنیک ہے لیکن اس کے باوجود وہ لوگ پھل اور گڈے، بیج اور جڑیں بھی استعمال کرتے ہیں۔

اسی طرح غذا پیدا کرنے کی ٹکنیک میں بھی کئی قسمیں شامل ہیں۔ ایک درجے میں وہ لوگ ہیں جن کا انحصار انسانی قوت پر ہوتا ہے جیسے مالی یا باغبان۔ اگر یہ لوگ جانوروں کی پرورش اور نگہداشت شروع کریں تو ان کی غذا میں تنوع ضرور پیدا ہوگا، معاشی زندگی بہتر ہوگی، سماجی زندگی میں بھی تھوڑا فرق ہو جائے گا۔ لیکن جہاں تک زمین کی قوت بڑھانے کا تعلق ہے اس میں ان چیزوں کا کوئی دخل نہیں ہے۔

دوسرے درجے میں وہ لوگ ہیں جنھیں زراعت پیشہ یا "agriculturist" کہا جاتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو زمین کی قوت پیداوار میں اضافے کے لیے یا تو جانوروں کی قوت یا میکانی طاقتیں۔ جیسے قوت سے چلائے جانے والے ہل

(reaper) اور ریپر (power driven plough)
وغیرہ استعمال کرتے ہیں -

آخری درجے میں چرواہے شامل ہیں جو اپنی پوری توجہ جانوروں کی پرورش پر صرف کرتے ہیں - یہ لوگ یا تو پودوں کی پرورش بالکل ہی نہیں کرتے یا اگر کرتے بھی ہیں تو اس پر بہت کم توجہ دیتے ہیں -

ان مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والوں میں چاہے وہ غذا جمع کرنے والے ہوں یا باغبان، کاشت کار ہوں یا چرواہے، آب و ہوا، تمدن، اوزاروں کی بناوٹ اور تاریخی واقعات کے لحاظ سے کافی فرق پایا جاتا ہے -

غذا جمع کرنے والے (Food Gatherers)

انسان کے تمدنی ارتقا کا یہ بڑا دلچسپ پہلو ہے کہ آج جو انسان اپنی فہم و فراست اور عقل و دانش کی بنا پر ترقی کر کے فطرت پر قابو پا چکا ہے اور ہوا، پانی، بھاپ اور بجلی پر حکمرانی کرتا ہے وہی انسان تہذیب کے بالکل ابتدائی دور میں فطرت کا غلام تھا۔ قدرت کی فیاضیوں پر اپنی گزر بسر کرتا تھا - اس کے رحم و کرم پر جیون بتاتا تھا- اپنی ذاتی محنت اور قابلیت کے سہارے غذائی پیدایش میں کچھ بھی اضافہ نہیں کر سکتا تھا - ہاتھوں کی مدد سے جڑیں، گڈے، پھل اور پھول جمع کرتا اور بازوؤں کے سہارے انھیں منھ تک پہنچاتا تھا، کیوں کہ تمدن کے ابتدائی درجے میں اس کے پاس کوئی آلات و اوزار نہیں تھے۔ قدیمیات کی تحقیقیں شاہد ہیں کہ ابتدا میں انسان محض ترکاریوں پر زندگی بسر

کرتا تھا۔ اس کے علاوہ کیڑے، انڈے اور وہ تمام شکار جو آلات و اوزار کے بغیر حاصل کیے جا سکتے ہیں اس کی غذا کا جز تھے۔ اس لحاظ سے انسان ابتدا میں غذا جمع کرنے والے کی حیثیت سے نمودار ہوا۔ دنیا کے مختلف حصوں میں اس نے سکونت اختیار کی اور اپنے تمدن کی وافر نشانیاں آئندہ نسلوں کے لیے چھوڑ گیا۔

پرانے پتھر جگ کے وسطی حصے میں انسان نے پتھر کی کلہاڑی کو ایک بھدا دستہ لگایا اور بعد میں اس اوزار کو بڑے بڑے اور خوفناک جانوروں کے شکار کے لیے استعمال کرنا شروع کیا۔ غاروں میں سوّروں کی کھوپڑیوں میں دھنسی ہوی جو کلہاڑیاں ملی ہیں وہ اس بات کا بدیہی ثبوت ہیں کہ پرانے پتھر جگ میں شکار کیا جاتا تھا۔ وہ لوگ سوروں اور خوفناک جانوروں کو اپنی برچھیوں اور بھدی کلہاڑیوں کا نشانہ بناتے تھے۔ اس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ پرانے پتھر جگ میں انسان شکاری بن چکا تھا۔ جس کے اوزار بھدے ضرور تھے لیکن وہ اس قابل تھے کہ ان کی مدد سے اپنے کو خوفناک جانوروں سے محفوظ رکھا جا سکے۔ یہ لوگ شکار کا گوشت بھی استعمال کرتے تھے۔

اوپری پرانے پتھر جگ میں انسان کئی اوزاروں کو بنانے اور استعمال کرنے کے قابل ہو چکا تھا۔ جس میں نیزہ، برچھی اور ہارپون شامل ہیں۔ یہ رین ہرنوں (Reindeer) گھوڑوں اور دوسرے جانوروں کا شکار کرنے کے لیے کام آتے تھے۔ ہارپون اور مچھلیوں کی ہڈیوں کی موجودگی اس بات کا بدیہی ثبوت ہے کہ انسان مچھلی کا شکار بھی کر سکتا تھا۔ اس کے بعد بیچ پتھر جگ کے آخری حصے میں تیر اور کمان

شکار میں انسان کے مہارت حاصل کرنے کا ثبوت دیتے ہیں اور اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ انسان آہستہ آہستہ مگر یقینی طور پر آدی باسیانہ غذا جمع کرنے والے کی حیثیت سے نکل کر شکاری اور ماہی گیر بنتا گیا اور اس طرح دوسرے انسان نما جانداروں یا مثل الانسانوں (Anthropoid) پر سبقت لے گیا اور ماحول پر اس کا تصرف بڑھتا گیا۔

موجودہ زمانے میں کوئی بھی ایسا خام تمدنی سماج نہیں ہے جو محض جنگلی پودے چن چُن کھا کر اپنی زندگی بسر کرتا ہو۔ تمام غیر باغبان (non-horticulturist) گروہوں کے پاس شکار اور مچھلی پکڑنے کے کچھ نہ کچھ آلات ضرور ہوتے ہیں۔ اگرچہ غذا جمع کرنے والے سماجوں کے تمدن بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں پھر بھی ان میں چند ایسی مشترک خصوصیتیں ہوتی ہیں جو اس سطح کے تقریباً ہر سماج میں پائی جاتی ہیں۔

۱) عام طور پر غذا جمع کرنے والے سماج کی آبادی بہت کم ہوتی ہے۔ یہ لوگ ایسے علاقوں میں بستے ہیں جو غذا جمع کرنے، شکار کرنے اور مچھلی پکڑنے کے لیے زیادہ موزوں ہوتے ہیں۔

۲) غذا جمع کرنے والے سماج عام طور پر چھوٹے اور الگ تھلگ (isolated) ہوتے ہیں۔ تھوڑے تھوڑے وقفے سے یہ لوگ جنگلی پودوں اور جانوروں کی تلاش میں ایک حصے سے دوسرے حصے میں منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ غذا پیدا کرنے والوں کے مقابلے میں زیادہ نقل مقام کرتے ہیں۔

۳) غذا جمع کرنے والے عام طور پر خود پرور خاندانی گروہ ہوتے ہیں۔

۴) یہ لوگ آبادی سے دور ہٹ کر شہر کے کناروں (margin-al area) پر رہتے ہیں اور غذا پیدا کرنے والے طاقتور سماج کے دباؤ سے وہ دور ہٹتے جاتے ہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ غذا جمع کرنے والے سماج میں آہستہ آہستہ تبدیلیاں ہوتی جاتی ہیں اور تمدن کے بعض ایسے پیٹرن اب تک ان کے پاس موجود ہیں جو بڑی حد تک دوسری جگہوں سے غائب ہو چکے ہیں۔

شکاری (Hunters)

اگرچہ شکاری لوگ جڑوں، گڈوں، پھلوں اور پھولوں کو بھی غذا کے طور پر استعمال کرتے ہیں، لیکن ان کی غذا کا اصل اور بڑا جز گوشت ہے۔ یہی زبردست اختلاف شکاری گروہوں اور غذا جمع کرنے والوں میں پایا جاتا ہے۔ کب اور کیسے انسان نے گوشت کھانا شروع کیا اس کا جواب دینا مشکل ہے؟

شکاری ہر جگہ ایک ہی جانور کا شکار نہیں کرتے ہیں۔ ماحول کی نوعیت انھیں مختلف جانوروں کا شکار کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ آسٹریلوی کنگرو کا شکار کرتے ہیں۔ امریکی لال ہندی بائسن (Bison) پر زیادہ توجہ کرتے ہیں۔ بہار کے زمانے میں اسکیمو دودھ پلانے والے جانور جیسے سیل اور والرس کا اور گرمیوں میں دوسرے جانوروں کا شکار کرتے ہیں۔ بہرحال ٹکنیک کا فرق ضرور پایا جاتا ہے۔

عام طور پر شکاری ٹکنیک کا فوق فطری قوتوں سے کچھ نہ کچھ تعلق ضرور ہوتا ہے۔ شکار میں ناکامی کو فوق فطری طاقتوں کے غصے اور تابو

کی بے حرمتی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس لیے چنچو شکار کے بعد جانور کا دل جنگل کی طرف پھینک دیتے ہیں۔ بڑے اور خوفناک جانوروں کا شکار کرنے میں محض ہشیاری اور بہتر ٹکنیک کا دخل نہیں ہوتا بلکہ اپنی جان کا بھی خیال رکھنا پڑتا ہے اس لیے وہ لوگ جادوگرانہ طریقوں سے کام لیتے ہیں۔

ہتھیاروں اور آلات و اوزار کی مدد کے بغیر شکار کرنا بے حد دشوار ہے، اس لیے تمدن کے ہر دور میں انسان کچھ نہ کچھ ہتھیار استعمال کرتا آیا ہے۔ بھالے، تیر، جال، کانٹے، چور گڑھے، کلہاڑیاں، زہر اور چھرے مختلف اوزار رہے ہیں۔ مچھلیوں کا شکار عام طور پر کشتیوں میں بیٹھ کر کیا جاتا ہے۔ خوفناک اور تیز رفتار جانوروں کا شکار رکتے یا گھوڑے اور اونٹ پر بیٹھ کر کیا جاتا ہے۔ جہاں تک شکاری ٹکنیک کا دخل ہے نشانہ بازی، زہر، بھالے بازی، گرز بازی، کلہاڑے بازی، پھندے بازی اور اندھے گڑھے اہم ہیں۔ کمان کا استعمال نئے پتھر جگ سے شروع ہوتا ہے۔ نینڈرتھال انسان صرف برچھیاں اور کلہاڑیاں استعمال کرتے تھے۔

شکار کو اپنی طرف راغب کرنے اور انھیں مارنے کے لیے شکاری مختلف روپ اختیار کرتے ہیں۔ میدانوں میں بسنے والے میدانی ہندی (Plains Indians) جنگلی بیلوں کا شکار کرنے کے لیے بھیڑ کا روپ دھارن کرتے ہیں۔ کیلی فورنیا کے ہندستانی ہرن کا شکار کرنے کے لیے ہرن کی کھال پہن کر چرتے وقت اس کا شکار کرتے ہیں جنوبی افریقہ کے بش مانس (Bush Man) اپنے آپ

کو شتر مرغ کی طرح ظاہر کرتے ہیں۔ اسکیمو سفید لباس پہن کر گھٹنوں برف میں ٹھیر کر شکار پھانستے ہیں۔ مادہ کی آواز اکثر جانوروں کو متوجہ کرتی ہے، اسی لیے اسکیمو اکثر مادہ سیل کی آواز نکال کر نر سیل کا شکار کرتے ہیں۔

شکار میں اجتماعی جد وجہد انفرادی جد وجہد کے مقابلے میں زیادہ کامیاب ثابت ہوتی ہے۔ چند لوگ شکار گاہ کے قریب پہلے سے جا کر ٹھہر جاتے ہیں اور پھر دوسرے جانوروں کو اسی سمت بھگا کر لاتے ہیں میدانی ہندی (Plains Indians) چھوٹے چھوٹے گڑھے کھود کر اس پر گھاس پھوس ڈھانک دیتے ہیں اور جانوروں کو اسی طرف بھگاتے ہیں۔ اوپری پتھر جگ اور سالوتری (Solutrean) عہد میں یہی طریقہ رائج تھا۔ خرگوش کا شکار کرنے کے لیے عام طور پر چھوٹے چھوٹے گھونسلے بنائے جاتے ہیں۔ جب پیچھے سے خرگوشوں کو بھگایا جاتا ہے تو وہ پریشان ہو کر ان گھونسلوں میں پناہ لیتے ہیں۔ اس وقت شکاری ایک دم باہر آ کر ان کو پکڑ لیتے ہیں۔ ساحلی علاقوں میں بسنے والے کشتیوں میں بیٹھ کر ہارپون اور جال کی مدد سے وھیل کا شکار کرتے ہیں۔

بعض سماجوں میں شکار کا گوشت سُکھا کر رکھا جاتا ہے، لیکن ان مقاموں میں جہاں کی آب وہوا گرم ہوتی ہے عام طور پر ضرورت کے موافق گوشت رکھ کر بقیہ پڑوسیوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ برفستانی علاقوں میں غذا مہینوں آسانی سے محفوظ رکھی جا سکتی ہے۔

مچھلی گیری (Fishing)

مچھلی پکڑنے والوں کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ اپنی گزر بسر صرف مچھلی کے گوشت پر کریں۔ مختلف سماجوں میں تابو کی وجہ سے لوگ مچھلی کا گوشت استعمال نہیں کرتے۔ ساحلی علاقوں میں بسنے والے مچھلی پکڑنے پر وقت اور توانائی صرف کرنے کے باوجود اسے فروخت کرکے اپنے استعمال کی دوسری چیزیں خریدتے ہیں۔ کیلی فورنیا کے لوگ مچھلی صرف اُن دنوں میں کھاتے ہیں جب وہ ساحل کے قریب رہتے ہیں۔ سال کا باقی حصہ وہ شکار پر گزارتے ہیں۔

ان لوگوں میں جو خاص کر مچھلی پر گزر کرتے ہیں شمالی بحرالکاہل، برطانوی کولمبیا اور جنوبی الاسکا کے ہیڈا (Heddas) شامل ہیں۔ مچھلیاں اور دودھ پلانے والے سمندری جانور ان لوگوں کی غذا کا بہت بڑا حصہ ہیں اور زمینی شکار ان کی غذا کا صرف ایک ذیلی حصہ ہوتا ہے سال کے ان دنوں میں جب مچھلیاں بہت آسانی سے مل جاتی ہیں یہ لوگ بیس بیس گھنٹے ان کو پکڑنے میں مصروف رہتے ہیں۔ مچھلی پکڑنے والے شکاریوں کی بہ نسبت بہت کم نقل مقام کرتے ہیں۔

ہارپون اور نیزے دنیا کے اکثر حصوں میں مچھلی پکڑنے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ ایسی جگہوں پر جہاں پانی کم رہتا ہے تیر و کمان کے ذریعے بھی مچھلیاں پکڑی جاتی ہیں۔ جہاں پانی ٹھہرا ہوا ہوتا ہے وہاں زہر ملا دیا جاتا ہے۔ اس طریقے پر بہت کم محنت اور کوشش سے کافی مچھلیاں ہاتھ آجاتی ہیں۔

بَن چرائی (Pastoralism)

تمام باغبان جانوروں کی پرورش کرتے ہیں، چاہے ان کا گوشت استعمال میں آتا ہو یا نہیں۔ عام طور پر جانوروں کی جذباتی طور پر پرورش کی جاتی ہے، انھیں یا تو پالتو رکھا جاتا ہے یا مذہبی رسموں میں ان کی قربانی کی جاتی ہے۔ پھر بھی سور، بھیڑ، بکری جیسے جانوروں کی معاشی اہمیت کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ چاہے ان سے حاصل ہونے والے فائدوں سے آدی باسی غفلت ہی کیوں نہ برتیں ان کی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً

۱) گوشت اور خون فروخت کیا جاتا ہے۔
۲) بال اور اون بُننے کے کام آتے ہیں۔
۳) دودھ غذا کا کام دیتا ہے۔
۴) بوجھ لادا جاتا ہے۔
۵) سواری کا کام لیا جاتا ہے۔

بَن چرائی عام طور پر ایشیا اور افریقہ میں زیادہ کی جاتی ہے اور یہ لوگ معاشی، سماجی اور مذہبی رسموں کے لیے جانوروں کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ ان میں شادی کا ایک مشہور طریقہ یہ ہے کہ دولہا والے دلہن کے رشتہ داروں کو جانور دیتے ہیں۔ یہ طریق لیبولا (Labola) کہلاتا ہے۔

مشرقی افریقہ میں پرکھا پوجا کے لیے مویشیوں کی قربانی کی جاتی ہے۔ جنوب مغربی افریقہ کے ہیری رو (Herero) قبیلے کے ہاں ایک

قربان گاہ ہے جہاں مقدس آگ ہمیشہ جلتی رہتی ہے جس کے اطراف قربانی کے جانوروں کے سینگ پڑے رہتے ہیں۔

جنوبی افریقہ کے فلینی (Fulani) قبیلے میں شادی بیاہ بچوں کی نام رکھائی اور دوسرے سماجی تہواروں کے موقع پر جانوروں کی قربانی کرتے ہیں۔ مردوں کو عام طور پر وراثت میں مویشی ملتے ہیں۔ بڑے لڑکے کو عموماً کالے اور چھوٹے کو سفید رنگ کے مویشی دیے جاتے ہیں۔

صحرائے اعظم میں بسنے والوں کے ہاں اونٹ زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ ان ہی اونٹوں کی پرورش کرنے والوں میں توارگ (Tuareg) قبیلے کے لوگ ہیں جو تمام تر اپنی زندگی اونٹ، بکری اور بھیڑ کے دودھ پر بسر کرتے اور گوشت بہت کم استعمال کرتے ہیں۔

انسان نے کاشتکاری بہت بعد میں شروع کی۔ قبل تاریخی انسان کا دماغ یہ نہیں سوچ سکتا تھا کہ جانوروں کو نشانہ بنانے سے بہتر انہیں اپنی مرضی کا غلام بنانا ہے۔ جب انسان میں اتنا سوچنے کی صلاحیت پیدا ہوئی تو نئے پتھر جگ سے اس نے جانوروں کی پرورش شروع کی۔

چھٹا باب

سماجی تنظیم

سماجی تنظیم یا سماجی ساخت سے مراد معاشرے کی وہ تقسیم و تشکیل ہے جس سے کئی سماجی جماعتیں یا سماج کے کئی درجے یا شعبے ظہور میں آتے ہیں۔ ترقی یافتہ اور مہذب سماجوں میں خاندان، کلب، مزدور سبھائیں، فرقے، سیاسی پارٹیاں اور ٹولیاں سماجی جماعتوں کی قسمیں ہیں۔ ان تمام سماجی جماعتوں سے فرد کے تعلقات مختلف نوعیت کے ہوتے ہیں۔ یا تو اس کا تعلق رضاکارانہ ہوتا ہے یا لازمی۔ جہاں تک خاندان کی رکنیت کا تعلق ہے اس سے فرد اپنا خونی رشتہ نہیں توڑ سکتا۔ اس کے برخلاف کلب سے وہ جب چاہے اپنا رشتہ منقطع کر سکتا ہے۔ یہی حالت دوسری تفریحی جماعتوں کی ہے جس سے فرد کا تعلق سراسر اس کی مرضی اور خواہش کے تابع ہوتا ہے۔ موجودہ جنتا راج میں ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سی سماجی جماعتوں کی نوعیت رضاکارانہ ہوتی ہے، لیکن آدی باسیانہ سماجوں کی حالت اس سے مختلف ہے کیوں کہ سماجی جماعتوں

سے فرد کے تعلقات رشتہ داری (Kinship) ، مقام (Locality) اور وراثت (Hereditary) کے لحاظ سے لازمی ہوتے ہیں - وہ اپنی مرضی کے مطابق چند مستثنیات کے سوائے ایک سماجی جماعت سے رشتہ توڑ کر دوسری سماجی جماعت سے وابستہ نہیں ہوسکتا -

آدی باسیانہ سماجوں میں مختلف سماجی جماعتیں ہوتی ہیں جو ایک دوسرے سے کافی مختلف ہوتی ہیں - ان میں زیادہ اہم وہ جماعتیں ہیں جو جنس ، عمر ، رشتہ داری ، مقام ، سماجی حیثیت ، سیاسی قوت ، پیشے ، جادو ، مذہبی فرایض ، ٹوٹم کے عقیدوں یا رضاکارانہ میل جول پر مبنی ہوتی ہیں -

خاندان ، شادی ، رشتہ داری

رشتہ دارانہ جماعتوں میں خاندان سب سے زیادہ ابتدائی اور سنساری نوعیت کا ادارہ ہے - انسان چاہے تمدن کے کسی درجے پر ہو وہ خاندان کی نگرانی میں پلتا ، بڑھتا ، پروان چڑھتا اور زندگی کی آخری سانس لیتا ہے -

اس بنیادی ادارے کے فرائض مختلف سماجوں میں مختلف ہوتے ہیں لیکن جہاں تک بنیادی فرض کا تعلق ہے وہ ہر جگہ یکساں دکھائی دیتا ہے یعنے جنسی خواہش کی تشفی ، بچوں کی پرورش ، ان کی دیکھ بھال اور سماجی تربیت کا انتظام یوں تو بچوں کی نگرانی اور تربیت دوسری انجمنیں اور ادارے بھی کرتے ہیں جیسے لاوارث بچوں کے لیے یتیم خانے ، دولتمند بچوں

کے لیے بورڈنگ اسکول اور گرمائی کیمپ اور جرم مائل بچوں کے لیے سدھار گھر وغیرہ۔ ان گھروں میں گو کھانے پینے، رہنے، سہنے اور تعلیم و تربیت کا انتظام کیا جاتا ہے لیکن وہ خلوص، محبت، رواداری اور باہمی تعاون جو خاندان میں میسر آسکتا ہے وہ ایسی جگہوں پر نہیں مل سکتا۔ اس لیے خاندان کا ایک فرض بچوں کی پرورش ہے تو دوسرا اہم فرض بے تکلفانہ جذباتی فضا برقرار رکھنا ہے۔

خاندان ایک معاشی اکائی کی حیثیت سے بچوں کے لیے کھانے، کپڑے، آسرے اور دوسری مادّی ضرورتیں پوری کرتا ہے۔ بچے، نوجوان، جوان، ادھیڑ اور بوڑھے سب ہی اس سے مستفید ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ خاندان کے مختلف سماجی، مذہبی اور تمدنی فرض بھی ہوتے ہیں۔ ہر سیانے آدمی کی شادی کرانا بھی خاندان کا فرض ہوتا ہے۔ بعض خاندانوں میں ایک زوجگی طریقہ ہوتا ہے اور بعض کے ہاں ایک زوجگی اور چند زوجگی دونوں طریقے پائے جاتے ہیں۔

ایک بیاہی طریقہ (Monogamy)

ایک بیاہی طریقے سے یہ مراد ہے کہ ایک ہی وقت میں نہ تو مرد ایک سے زیادہ عورتوں کا شوہر ہو سکتا ہے اور نہ عورت ایک سے زیادہ مردوں کی بیوی ہو سکتی ہے۔ یہ طریقہ آجکل ترقی پذیر رجحانوں کے اثر سے زیادہ مقبول ہوتا جا رہا ہے۔ آدی باسیانہ سماجوں میں بھی اس کی مثالیں ملتی ہیں۔ جزائر اندمان کے خام تمدنی قبیلوں اور ملایا کے جنگلوں کے سی مانگ میں شادی کا یہی طریقہ رائج ہے۔ ہیلو بھی اسی طریقے کے قایل ہیں۔

چند بیاہی طریقہ (Polygamy)

اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک چند زوجگی (Polygyny)
دوسرے چند شوہری (Polyandry) ۔ عام بول چال میں
"Polygamy" سے مراد چند زوجگی ہے، مگر اصطلاحی اعتبار سے
ایسی تحدید صحیح نہیں۔ "Polygamy" جیسا کہ اس کے نام سے واضح ہے
چند بیاہی طریقہ ہے اور اس میں چند شوہری اور چند زوجگی دونوں شامل ہیں۔

چند زوجگی (Polygyny)

اس طریق میں ایک مرد کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوتی ہیں۔ چوں کہ
اس طریق کی کئی عملی خرابیاں ہیں اس لیے قانونی، مذہبی اور رواجی طور پر
اس کو محدود کیا جاتا ہے۔ مسلمان مرد کو مذہبی لحاظ سے چار بیویاں رکھنے کی
مشروط اجازت دی گئی ہے اور تروبیاند نامی جزیروں (Trobiand
Islands) میں صرف سرداروں کے لیے چند زوجگی جائز ہے۔
دلہن دام (Bride Price) کی وجہ سے چند زوجگی پر
عمل کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اور صرف دولتمند اشخاص اس طریقے کو اختیار کر سکتے
ہیں، کیوں کہ دولت جمع کرنے میں کافی وقت لگتا ہے، اسی لیے دیکھا گیا ہے کہ
نوجوانوں کے مقابلے میں بوڑھے مردوں کی کئی بیویاں ہوتی ہیں۔
گونڈ عورتوں کو چھوڑ کر جو اپنے شوہر کے دوسری شادی کرنے پر
راضی ہو جاتی ہیں کئی آدیباسی علاقے ایسے ملتے ہیں جہاں سوکناپے کی وجہ
سے عورتوں نے خودکشی کر لی ہے، اس لیے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ

- گھریلو ٹنٹوں اور جھگڑوں کو اسی وقت کم کیا جا سکتا ہے جب کہ بیویاں سگی بہنیں ہوں۔

چند زوجگی کی موافقت میں یہ کہا جاتا ہے کہ اس کی وجہ سے خاندان کی آمدنی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور کئی عورتوں کے مل جل کر کام کرنے سے بہتر چیزیں تیار ہو سکتی ہیں اور ان چیزوں کی فروخت یا مبادلے سے خانگی دولت میں اضافہ ہو سکتا ہے، لیکن یہ کلیہ قطعی طور پر صحیح نہیں، کیوں کہ بیویوں کی تعداد میں اضافہ بچوں کی تعداد میں بھی زیادتی کا باعث ہوتا ہے جس کی وجہ سے آمدنی کے ساتھ خرچ بڑھنا بھی لازمی ہے۔

چند شوہری (Polyandry)

اس طریق میں ایک عورت کے ایک سے زیادہ شوہر ہوتے ہیں چند زوجگی کی مثالیں تو کثرت سے ملتی ہیں، لیکن چند شوہری بہت کم پائی جاتی ہے کہا جاتا ہے کہ تبتی آدی باسیوں اور نیلگری کے ٹوڈوں میں یہ طریقہ رائج ہے، لیکن ہمیں اپنے تعلیمی سفر میں یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ ٹوڈوں نے چند شوہری کے طریق پر بڑی برہمی کا اظہار کیا اور بتایا کہ اس طریق کو ختم ہوئے تقریباً بیس سال گذر گئے۔

ٹوڈوں میں جو چند شوہری طریق پایا جاتا تھا، اس کی نوعیت برادرانہ چند شوہری کی تھی۔ ان کے ہاں ولدیت کا تعین "تیر و کمان" (Bow and Arrow) کی رسم کے بعد ہوتا تھا۔ جب عورت کو حمل سے رہے سات مہینے گذرتے تو وہ ہونے والے بچے کے باپ اور چند دوسرے عزیزوں کے ساتھ جنگل جاتی۔ جنگل کے کسی درخت کا تھوڑا سا

حصہ کاٹ کر مرد اس میں چراغ روشن کرتا۔ یہاں چند اور رسمیں پوری کی جاتیں۔ اس کے بعد عورت اس درخت کے سامنے بیٹھتی، اس کا شوہر اپنی بیوی کے ہاتھ میں تیر و کمان دیتے ہوئے کچھ خاص قسم کے الفاظ کہتا جو ہر کٹم کے لئے علیحدہ ہوتے تھے۔ اس وقت عورت تیر و کمان کو پیشانی تک اٹھاتی اور کچھ دیر تک چراغ کو گھورتی رہتی، تمام رشتہ دار میاں بیوی کو جنگل میں چھوڑ کر واپس چلے جاتے تھے۔ اس رسم کی انجام دہی کے بعد ہونے والے بچوں کا باپ یہی شخص قرار پاتا، اور جب تک دوسرا پھر اسی "تیر و کمان" کی رسم کو انجام نہ دے وہی پہلا شخص سب بچوں کا باپ سمجھا جاتا تھا۔

وراثت اور جائداد

آدی باسیانہ رشتہ داری کے طریقوں میں وراثت اور جائداد کے طریقے نمایاں اہمیت رکھتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ وراثت یا تو ماں کی طرف سے چلتی ہے یا باپ کی طرف سے۔ اگر باپ کی طرف سے وراثت چلے تو وہ پدرانہ (Patrilineal) کہلائے گی۔ ہمارے سماج میں یہی طریقہ رائج ہے۔ شادی کے بعد دلہن اپنے شوہر کے گھر آجاتی ہے۔ بچوں کا نام باپ کے سلسلے سے رکھا جاتا ہے۔ وراثت باپ کی طرف سے چلتی ہے اور خاندان کا بزرگ مرد ہوتا ہے۔

دوسری طرف مادرانہ (Matrilineal) طریق وراثت ہے جس میں بالکل اس کے برعکس عمل ہوتا ہے اور عقیدوں اور دیومالاؤں میں سب سے اونچی جگہ دیوی کو دی جاتی ہے۔ اُن تمام قبیلوں میں جہاں

مادرانہ طریقہ رائج ہے بچوں کی تعلیم و تربیت اور فلاح و بہبود کی ذمہ داری ماموں پر ہوتی ہے۔ آسام کے کھاسیوں میں یہی طریق رائج ہے، جہاں شادی کے بعد مرد اپنی بیوی کے گھر جا کر رہتا ہے۔

جب وراثت صرف ماں یا باپ یعنی دونوں میں سے کسی ایک طرف سے چلے تو اس کو اک طرفہ وراثت (Unilateral) کہا جاتا ہے۔ اس کے برعکس اگر ماں اور باپ دونوں کی طرف سے چلے تو وہ صورت دو طرفہ وراثت ("Bilateral") کی ہوگی۔

وراثت کے طریقوں کے بعد دوسری اہم چیز رہائش ہے۔ شادی کے بعد اگر شوہر بیوی کے ساتھ اپنے باپ کے گھر جا کر رہے، جیسا کہ عام رواج ہے، تو اس طریق کو باپ گھر باسی (Patrilocal) کہتے ہیں۔ اس کے برخلاف اگر شوہر اپنی بیوی کے گھر جا کر رہے تو وہ گھر دامادی یا سسرال باسی "Matrilocal" ہوگی۔ باپ گھر باسی کے طریقے کی شادیاں یعنی "Patrilocal Marriages" عام طور پر پدرانہ نظام پر مبنی ہوتی ہیں اور گھر دامادی کے طریقے کی شادیاں یعنی "Matrilocal Marriages" مادرانہ نظام پر۔

کنبہ : (Clan)

خاندان کے بعد سماجی تنظیم کی دوسری اہم اکائی کنبہ ہے۔ کنبہ کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ خاندان یا تو ماں کی طرف سے چلتا ہے یا باپ کی طرف سے اسی لیے بچوں کا تعلق یا تو ماں کے کنبہ سے ہوگا یا باپ کے۔ کنبہ کے ہاں پر گوت بیاہی "Exogamy" طریق پایا جاتا ہے۔

جہاں مادرانہ نظام رائج ہے وہاں عورت اور اس کے بھائی بہنوں کا تعلق ایک ہی کٹم سے ہوتا ہے۔ اس کے بچے اور اس کی بہن کے بچے دونوں ایک ہی کٹم سے تعلق رکھتے ہیں لیکن اس کے بھائی کے بچوں کا تعلق دوسرے کٹم سے ہوتا ہے۔ پدرانہ نظام میں اس کے برخلاف عمل ہوتا ہے۔ عبوری بھائی بہن کا تعلق ایک ہی کٹم سے نہیں ہوتا۔

کٹم کی رکنیت لازمی ہے۔ پیدائش کی بنا پر کٹم کا تعین کیا جاتا ہے۔ اس لیے کوئی شخص اپنی مرضی کے مطابق جس کٹم سے چاہے اپنا رشتہ نہیں قایم کر سکتا، البتہ گود لینے کی صورت میں کٹم کی رکنیت ضرور بدل جاتی ہے۔

کٹم کے فرائض (The Functions of Clan)

کٹم کا سب سے بنیادی اور اہم فرض باہمی امداد اور تحفظ ہے۔ یہ تو بدیہی بات ہے کہ انسان سماجی حیوان ہے۔ وہ معاشرے میں رہتا بستا ہے، اس لیے وہ دوسروں کی مدد چاہتا ہے۔ اس کے مفاد اور دلچسپیاں دوسروں کے تعاون ہی سے پوری ہوتی ہیں۔ چنانچہ کٹم تحفظ اور باہمی امداد کی بنیادی اکائی ہے۔

کٹم کے ارکان کے لیے ایک دوسرے کی مدد کرنا، دعوتیں دینا، سماجی تیوہاروں میں حصہ لینا اور خون کا بدلہ لینا ضروری ہے۔ کٹم کا بنیادی وصول یہ ہے:

میرے کٹم بھائی کو مارنا مجھے مارنا ہے۔ "Strike my clan brother and you will strike me".

"The blood of my clan میرے کٹم کا خون میرا خون
is my blood" ہے۔

اس لیے اگر کٹم میں کسی کا قتل ہو جائے تو دوسرے ارکان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کا بدلہ لیں خاص قاتل سے بدلہ نہ لیا جا سکے تو اس کے ہم قبیلہ کسی دوسرے شخص سے سہی۔

کٹم کا دوسرا اہم فرض "قانونی" ہے یعنے قبیلائی قانون برقرار رکھنے میں مدد دینا اور قانون کے ذریعے اپنے کٹم کے حقوق کی حفاظت کرنا۔

ارکان پر قابو پانا کٹم کا تیسرا اہم کام ہے۔ ہر خاندان، ہر جماعت اور ہر کٹم میں شریر طبیعت کے لوگ پائے جاتے ہیں، اس لیے ارکان کے فعل وعمل کو قابو میں رکھنا بہت ضروری ہے تاکہ کٹم میں انتشار کی فضا نہ پیدا ہونے پائے۔ اگر کوئی شخص اتنا بدطینت ہو کہ جتانے اور سمجھانے کے باوجود وہ سیدھے راستے پر نہیں آتا تو اس کو کٹم سے خارج کر دیا جاتا ہے۔ وہ پھر کسی دوسرے کٹم کا رکن نہیں بن سکتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مصیبت اور ناگہانی حادثوں میں بھی کوئی اس کا ساتھ نہیں دیگا۔

کٹم کا چوتھا فرض پر گوت بیاہ کے طریقے کو قائم رکھنا ہے۔ گوت سے باہر شادی کرنے کی وجہ سے دوسرے کٹم سے تعلقات پیدا ہوتے ہیں، باہمی یگانگت بڑھتی ہے، جس کی وجہ سے کٹم کو زیادہ استحکام حاصل ہوتا ہے۔

کٹم کا پانچواں کام انتظامی نوعیت کا ہے۔ مثلاً روزمرّہ کے آپسی جھگڑے چکانا، امن قائم رکھنا، جنگ کا فیصلہ کرنا، لوگوں کی جائداد کی حفاظت کرنا۔ کٹم میں کئی ایسے افراد ہوتے ہیں جن کی ذاتی زمینیں ہوتی ہیں۔

اس لیے سردار کا فرض ہے کہ وہ کنٹم کے ارکان کی ملکیت کی حفاظت کرے۔

کنٹم کا سب سے آخری فرض مذہبی رسموں کی ادائی ہے۔ کنٹم کی رسموں میں حصہ لینا کنٹم کے تمام ارکان کے لیے ضروری ہے۔ بہت سے کنٹم کے خاص ٹوٹم ہوتے ہیں۔ جن پر وہ اپنے نام رکھتے ہیں اور بعض تو انھیں اس قدر اہمیت دیتے ہیں کہ اپنے جسم پر ٹوٹم کا نشان گندواتے ہیں، کپڑوں اور روزمرہ ضرورت کی چیزوں پر اسی قسم کی نقاشی کرواتے ہیں۔ یہ لوگ نہ تو اپنے ٹوٹم کو مارتے ہیں اور نہ اس کا گوشت کھاتے ہیں۔

غرض یہ وہ فرائض ہیں جن کا پورا کرنا ہر کنٹم کے لیے ضروری ہے۔

ساتواں باب

مذہب

زندگی کی بیسیوں حقیقتیں ایسی ہیں جن میں انسان اپنے کو بے بس و مجبور، محکوم و مظلوم پاتا ہے۔ اَن تھک کوششوں، لگاتار محنت، وقت اور جانداری کے صرف کے باوجود اسے ناکامی اور مایوسی ہوتی ہے۔ برسوں ہنسی خوشی سے زندگی بسر کرنے والے میاں بیوی میں ذرا سی بات پر ایسی اَن بَن ہو جاتی ہے کہ ایک دوسرے کی صورت سے بیزار ہو جاتے ہیں۔ ایک باصحت اور تنومند آدمی یکایک بیمار ہوتا اور موت کی نذر ہو جاتا ہے۔ بنانے کے دوران میں احتیاط برتنے کے باوجود بسا اوقات برتن ٹوٹ جاتے ہیں۔ غیر متوقع بارش اور گھٹا ٹوپ بادلوں کے چھانے کی وجہ سے تیار فصل برباد ہو جاتی ہے۔ متعدی بیماریوں کے پھوٹ پڑنے کی وجہ سے ہزاروں روپے کے مویشی ضایع ہو جاتے ہیں۔ غرض یہ اور اسی قسم کی بہت سی نامرادیوں اور ناکامیوں سے انسان کو گزرنا پڑتا ہے۔ زندگی کا راستہ اکثر پُر اسرار اور پیش قیاسی کے ناقابل ہوتا ہے۔

روزمرہ زندگی میں یہ اور اسی قسم کے واقعات نمودار ہونے کی وجہ سے ہر سماج کے اندر افعال اور اعمال کے ایسے نمونے پائے جاتے ہیں جو ان خلاف توقع مظاہر پر اپنا کنٹرول قایم کرنا چاہتے ہیں تاکہ فطرت اور انسان کے درمیان بہترین تعلقات قایم ہوں اور وہ ایک خوش حال اور پُرامن زندگی بسر کر سکیں۔ یہی تمدن کا وہ جز ہے جسے ہم "مذہب" کہتے ہیں۔

کسی سماج نے نہ تو شخصی تعلقات میں اور نہ ٹکنالوجی میں اس قدر مہارت حاصل کر لی ہے کہ وہ فوق فطری قوتوں سے بے نیاز ہو جائے، البتہ اتنا ضرور ہے کہ ہر سماج کے پاس عقیدوں اور توہموں کے الگ الگ نمونے ہوتے ہیں۔ ان آدی باسیوں، اَن پڑھ اور ناشائستہ لوگوں کا ذکر ہی کیا ہے جو ترقی کی دوڑ میں پیچھے ہیں۔ مہذب سے مہذب، ہماشائستہ اور ہر طبقے اور درجے سے تعلق رکھنے والے نیم تعلیم یافتہ اور تعلیم یافتہ لوگ خود تعویذ گنڈوں، جادو، ٹونوں، فلیتوں اور جھاڑ پھونک پر عقیدہ رکھتے ہیں۔

مذہبی پیشواؤں سے زندگی کے غیر متوقع حالات میں امداد طلب کی جاتی ہے خصوصاً پیدائش، بلوغ، شادی، بیماری اور موت کے وقت دعا، عبادت، جادو، قربانی اور دوسرے طریقوں سے ان کی شدت کو دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ قحط سالی، طغیانی اور فصل کی خرابی کے وقت بھی دیوی دیوتاؤں کو خوش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تاکہ بربادی اور تباہی سے محفوظ رہ سکیں۔ گویا مذہب کا انحصار فوق فطری قوتوں پر ہوتا ہے جس میں روح پرستی

(Animatism) اور نیچر پرستی (Animism)
شامل ہیں۔ ایک خدا کی پرستش (Monotheism) کے مقابلے میں کئی خداؤں کی پرستش (Polytheism) کا تصور خام تمدنی طبقوں میں بہت زیادہ عام ہے۔

روح پرستی (Animism)

جو لوگ روحوں پر اعتقاد رکھتے اور ان کی پرستش کرتے ہیں، انھیں "روح پرست" کہا جاتا ہے۔ ظاہر ہے مختلف روحانی طاقتوں میں دیوی، دیوتاؤں، بھوتوں، پریوں، شیطانوں، جادوگرنیوں اور خداؤں کا شمار ہوتا ہے۔ ٹیلر کا خیال ہے کہ انسان میں روح پرستی کا تصور دو وجہوں سے پیدا ہوا ہوگا۔ ایک یہ کہ جب آدمی رات میں سوتا ہے تو مختلف قسم کے بھیانک خواب دیکھتا ہے اور ہوش میں آنے کے بعد اپنے آپ کو محفوظ پاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کا جسم باقی رہتا ہے لیکن روح غائب ہوجاتی ہے۔ یہی حالت بے ہوشی کی ہوتی ہے۔ اسی بنا پر لوگوں نے خیال کیا کہ روح اور جسم دو علیحدہ چیزیں ہیں۔ جسم فانی ہے، لیکن روح امر ہے۔ جسم باقی رہتا ہے، لیکن روح غائب ہوجاتی ہے۔
روح ایک نظر نہ آنے والی پراسرار قوت سمجھی جاتی ہے۔ وہ ایک "عکس" ہے، ایک "سایہ" ہے جو کبھی کبھی انسانی روپ میں بھی ظاہر ہوتا ہے۔ انسان کے افعال و اعمال پر روح کے گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ وہ چاہے تو انسان کی زندگی خوش حال اور پرامن بنا سکتی ہے اور چاہے تو اس کو اور اس کی آل اولاد کو تباہ و برباد کرسکتی ہے، اس لیے

لوگ ان روحوں کو خوش کرنے کے لیے قربانیاں کرتے، ان کی منت سماجت کرتے اور نذر گزرانتے ہیں۔

آدی باسیانہ عقیدوں کے لحاظ سے نہ صرف انسان بلکہ بہت سی بے جان چیزوں میں بھی روح موجود ہوتی ہے جیسے پہاڑ، ندیاں، درخت وغیرہ اس لیے انھیں بھی خوش کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے تاکہ انسان ان کے عتاب سے محفوظ رہ سکے۔ یہ صورت نیچر پرستی "Animatism" کہلاتی ہے۔

مانا (Mana)

"مانا" ایک زبردست غیر معمولی قوت ہے جو اشخاص اور اشیا دونوں میں پائی جاتی ہے۔ یہ اعتقاد پالی نیشیا اور مالی نیشیا میں بہت عام ہے۔ اگر کسی پنڈت یا عالم میں زبردست قوتِ مطالعہ، وسیع معلومات اور غور و فکر کی معمول سے بہت زیادہ قابلیت ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس آدمی میں "مانا" کی قوت موجود ہے۔ جب کوئی مشہور سپاہی میدان جنگ میں ہارتا ہے تو اس کا یہ مطلب ہے کہ اس میں "مانا" باقی نہیں رہا۔ یہی حالت فطرت کی دوسری چیزوں کی ہے۔ ایک عجیب و غریب شکل کے پتھر کو اگر فصل بونے کے وقت نصب کیا جائے اور فصل معمول سے زیادہ اچھی تیار ہو تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس پتھر میں "مانا" موجود ہے۔ پالی نیشیوں کا خیال ہے کہ "مانا" کی قوت موروثی طور پر حاصل ہوتی ہے۔ سرداروں، پادریوں اور سپاہیوں وغیرہ کے بچوں میں یہ قوت اپنے ماں باپ کی طرف سے منتقل ہوتی ہے۔ ہتیاروں، اوزاروں اور

کشتیوں وغیرہ میں "مانا" کی قوت ایک تو بنانے والے کی ہشیاری اور احتیاط پر مبنی ہے اور دوسرے خاص قسم کے مذہبی فرض انجام دینے پر۔

"مانا" سے متعلق دوسری چیز "تابو" ہے۔ جس شخص میں "مانا" کی قوت موجود ہوتی ہے اس پر کئی قسم کی پابندیاں عاید ہوتی ہیں۔ وہ اپنے سے کم تر "مانا" رکھنے والوں سے نہیں ملتا۔ اس کو ملنے جلنے اور کھانے پینے میں پرہیز کرنا پڑتا ہے۔ پالی نیشیا کی چند جماعتوں میں سب سے مقدس پادری یا سردار ہمیشہ علیحدہ زندگی بسر کرتا ہے۔ دوسرے نہ تو اس تک پہنچ سکتے ہیں اور نہ اس کی چیزوں کو استعمال کر سکتے ہیں۔ چھوٹا ناگپور کے لوگ اسی قوت کو "بونگا" کہتے ہیں۔ دریاؤں، سمندروں اور پہاڑوں میں یہ قوت موجود رہتی ہے، لیکن خود دریا، سمندر، پہاڑ اور سورج کی شعاعیں "بونگا" نہیں۔ بونگا کو کسی طرح فنا یا ضائع نہیں کیا جا سکتا۔

جادو (Magic)

فوق فطری طاقتوں پر اعتقاد کا ایک اور طریقہ "جادو" کہلاتا ہے۔ جادو کے ذریعے سے انسان اپنی اچھی اور بری دونو خواہشیں پوری کر سکتا ہے۔ صرف ضرورت اس بات کی رہتی ہے کہ آدمی بتائے ہوئے ضابطوں کو بالکل اسی طریقے پر پورا کرے جس طرح اسے ہدایت دی جاتی ہے۔ کسی چیز کو اپنا مطیع اور زیر کرنے کے لیے کئی کئی دن تک تپس کرنا پڑتا ہے بتائے ہوئے اصول دھرانے پڑتے ہیں اس کے بعد نتیجہ

میکانی طور پر نمودار ہوتا ہے۔ بعض وقت تو جادو وہ کام کر جاتا ہے جو انسان کی فہم و فراست سے باہر ہوتا ہے۔ جب جادو کسی اچھے مقصد کے حصول کے لیے کیا جاتا ہے جس سے دوسروں کا کوئی نقصان نہیں ہوتا تو اسے حفاظتی جادو (Protective magic) کہا جاتا ہے۔ اس کے برخلاف اپنے مقصدوں کو حاصل کرنے کے لیے دوسروں کو تکلیف پہنچانا، ان کے جانی اور مالی نقصان کا باعث ہونا "کالا جادو (Black Magic)" ہوگا۔ یہ وہی کالا جادو ہے جسے عرف عام میں "بھان متی" کہتے ہیں۔ اس طریقے سے اپنے حریف کی موت، اس کی تباہی اور بربادی مقصود ہوتی ہے۔ فریزر کے نقطہ نظر سے جادو کی دو قسمیں ہیں: ۱: تقلیدی جادو (Imitative Magic) اور ۲: متعدی جادو (Contagious Magic)۔ پہلی قسم کے تحت یہ یقین کیا جاتا ہے کہ اگر دشمن کی مورتی بنا کر اسے مارا یا برباد کیا جائے تو دشمن پر اسی طرح کا اثر ہوگا۔ اس طریق کے تحت لکڑی یا مٹی کی ایک مورتی اسی شکل و صورت کی بنا کر اسے مختلف قسم سے تکلیف پہنچائی جاتی ہے۔ متعدی جادو میں جس شخص کو تکلیف پہنچانی منظور ہوتی ہے اس کے بال، ناخن، کپڑے یا کوئی اور چیز جو اس کی اپنی تصور کی جا سکے حاصل کر کے جادو کا عمل کیا جاتا ہے۔

اپنی دلی خواہشوں اور خاص خاص مقصدوں کو پورا کرانے کے لیے لوگ شمن (Shaman) اور پادریوں کے ہاں جاتے ہیں جو اپنی معلومات کی بنا پر ان کی آرزوئیں پوری کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جن کی بابت یہ خوش اعتقادی ہوتی ہے کہ ان میں فوق فطری قوتیں

کو قابو میں لانے کی صلاحیت ہے۔شمن عام طور پر بوڑھے لوگ ہوتے ہیں جو مذہبی کاموں میں ماہر ہوتے ہیں۔ لوگ انھیں خدمت کے معاوضے میں پیسے دیتے ہیں۔ یہ لوگ منتروں اور جادو کے زور سے بڑی بڑی طاقتوں کو زیر کرنے والے سمجھے جاتے ہیں۔ طوفان کا روکنا، شکار کے لیے جانوروں کا ہاکا کرنا، بیماریوں کا علاج کرنا ان کے معمولی کام ہیں۔ جب شمن کسی فوق فطری ہستی کو قابو میں لانا چاہتا ہے تو وہ انہیں بلاتا ہے، ان کی خاص زبان میں بات چیت کرتا ہے، انہیں ڈانٹتا، مناتا، پھسلاتا، ڈراتا، سمجھاتا اور لالچ دیتا ہے۔

آٹھواں باب

آرٹ

انسان تمدن کے چاہے کسی درجے پر ہو، اس کے سماجی اداروں اور معاشی جدوجہد کا معیار چاہے کتنا ہی معمولی ہو۔ فنکاری کی رغبت، خوب صورتی کا ذوق اور سجاوٹ کا شوق ہمیشہ موجود رہا ہے۔ اس زمانے میں بھی جب کہ لوگ نہ تو پودوں کی کاشت سے واقف تھے اور نہ جانوروں کی پرورش سے آگاہ، نہ ایجادوں کی صلاحیت رکھتے تھے اور نہ صنعت و حرفت کی قابلیت وہ تصویری آرٹ (Pictorial Art) میں کافی مہارت رکھتے تھے۔ پرانے پتھر جگ میں لوگوں کی سماجی تنظیم اور معاشی زندگی ابتدائی نوعیت کی تھی، لیکن اپنے آلات و اوزار کو خوب صورت بنانے کے لیے وہ اُن پر سیپی اور پتھر کے ٹکڑے جڑتے تھے۔ غاروں میں رہتے تھے مگر غاروں کی دیواروں اور چھتوں پر مصوری کرتے تھے۔ انڈامینوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ برہنہ پھرتے تھے، آگ سلگانے کے فن سے ناواقف تھے پھر بھی اپنے کو سجانے کے لیے کمر پٹے، نکلس اور چوڑیاں استعمال کرتے تھے۔ جسم رنگ کر اس پر مختلف نمونے بناتے تھے۔ ان مثالوں

بننے کی کو ■ش کرتے ہیں۔ جن لوگوں میں زبان دانی کا ملکہ ہوتا ہے یا
جن میں کوی اچھی بات اچھے الفاظ میں ظاہر کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے وہ
ایسے موزوں فقرے سجھاتا ہے جو زبان زد خاص و عام ہو کر محاوروں اور
کہاوتوں کا درجہ حاصل کرتے ہیں۔ ان میں پیڑیوں کا تجربہ اور مشاہدا ہوتا
ہے، عملی زندگی میں فایدا پہنچانے والی نصیحتیں اور ہدایتیں، مشورے اور
چٹکلے ہوتے ہیں۔ آرٹ کے یہ مختلف نمونے انسان کی سماجی اور تمدنی
زندگی کو منوّر کرتے اور اس کی روحانی خوشی، ذہنی دلچسپی اور دلی اطمینان
کا باعث ہوتے ہیں۔ یہی قدریں ہمارا جزوِ حیات بن کر آرٹ کہلاتی ہیں۔

پروفیسر ہوئیل نے آرٹ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

"لکیر، شکل، رنگ، سُر
اور لفظ کے ذریعے انسان
کے فطری ولولوں کے بیرونی
اظہار کو ہم آرٹ کہتے ہیں

"By art we mean
the overt expressions
of impulses in line,
form, clour, rhythm

and word as drawing, painting, sculpture, dance, tone, poetry and literature The impulses are emotive and rational, but feeling tone predominates over thought". [1]

ڈرائنگ، تصویر کشی، بت تراشی، ناچ، گانا شاعری اور ادبی ذوق اس کی مثالیں ہیں۔ یہ ولولے جذباتی بھی ہوتے ہیں اور عقلی بھی لیکن جذبات کا پلّہ سوچ بچار پر بھاری رہتا ہے۔"

آرٹ کے مختلف نمونے اس بات کے شاہد ہیں کہ انسان کو کھانے، پینے، پہننے، اوڑھنے سے جو لطف حاصل ہوتا ہے وہ اس مسرت اور سکون سے مختلف ہے جو اعلا معیار کی فنکاریوں سے حاصل ہوتا ہے۔ ہر زمانے اور ہر ملک میں خوب صورتی کے معیار مختلف ہوتے ہیں۔ پرانے مصریوں کے ہاں سر منڈوانا اور بالوں کی ٹوپی پہننا خوب صورتی میں داخل تھا۔ کوکیٹل کہلانے والے امریکا کے باشندے اپنے بچوں کے سروں کو بدوضع کرتے تھے اور چینی عورتیں اپنی لڑکیوں کے پیر باندھتی تھیں۔ آسٹریلیا کے آدی باسی جسم کو داغدار بناتے تھے اور افریقہ کے بعض قبیلے اپنے دانت نوکدار کرتے تھے، لیکن جہاں تک آرٹ کے نمونوں کا تعلق ہے اس میں صرف نجی پسند کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا بلکہ سماجی عنصر نمایاں ہوتا ہے۔

---

1 Hoebel "Man in the Primitive World" P. 161.

سجاوٹی آرٹ (Decorative Art)

انسان میں فطری طور پر جو جمالیاتی ذوق ہوتا ہے وہ ہمیں روزمرہ استعمال میں آنے والی چیزوں کی سجاوٹ میں نظر آتا ہے۔ دنیا کے تمام لوگ اپنی پسندیدہ چیزوں کی سجاوٹ اور بناوٹ، آرایش اور زیبایش کرتے چلے آرہے ہیں، چاہے ان کا یہ رجحان مٹی، پتھر اور لکڑی کے آلات و اوزار کو خوب صورت بنانے میں ظاہر ہو یا قربان گاہوں، کتبوں اور انسانی جسم کو رنگنے اور سجانے میں۔ بہرحال دنیا کا ہر قبیلہ اپنی توجہ کسی نہ کسی چیز کی آرایش پر صرف کرتا ہے۔ مثال کے طور پر ہای لینڈ کے گوتے مالا (Guatemala) قبیلے کی دلچسپیاں کپڑوں کی تیاری تک محدود ہیں۔ ان کے مکان، گھریلو فرنیچر اور دوسری ضرورت کی چیزیں بالکل سادہ نظر آتی ہیں۔ اس کے برخلاف جنوبی میکسیکو میں بسنے والے کپڑوں کی طرف بالکل توجہ نہیں کرتے بلکہ کارخانوں کے بنے ہوے کپڑوں پر اکتفا کرتے ہیں۔ سجاوٹی آرٹ مقام/جگہ، تمدن اور وقت کی نوعیت سے بدلتا رہتا ہے۔

سجاوٹی آرٹ دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک شکلی (Formal) دوسرا نیابتی (Representative) شکلی سجاوٹی آرٹ میں زیادہ تر ظاہرا شکل اور ڈزاین کو اہمیت دی جاتی ہے۔ اس کے پیچھے کوئی مقصد پنہاں نہیں ہوتا۔ فن دان کا مقصد صرف رنگوں، سائز اور خوب صورتی پر توجہ کرنا ہوتا ہے اور جیسے جیسے وہ اپنے فن میں مہارت حاصل کرتا جاتا ہے اسی قدر اس کے کام میں دل فریبی اور سندرپن بڑھتا جاتا ہے۔ اس کے برخلاف نیابتی سجاوٹی آرٹ میں کسی نہ کسی مقصد کو پیش نظر
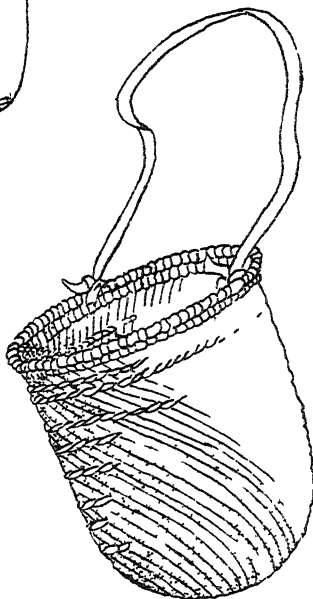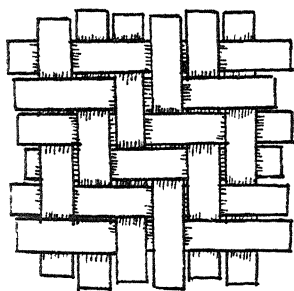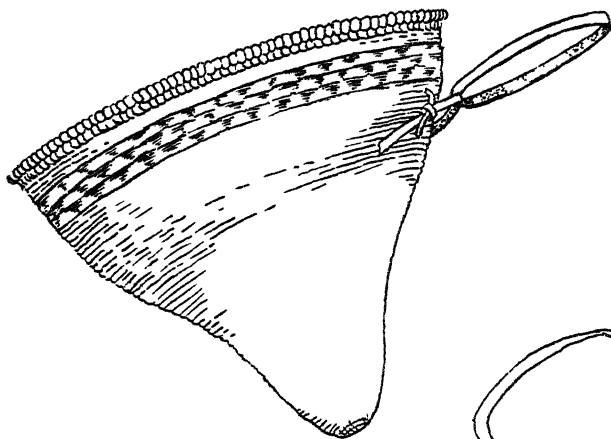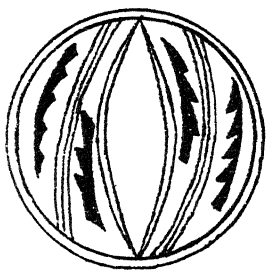
رکھ کر کسی خاص چیز کی تکمیل کی جاتی ہے۔ اس قسم کے آرٹ کے نمونے پیش کرنے سے فن دان کا مقصد کسی خاص خیال کو پیش کرنا ہوتا ہے۔ ٹوٹم کتبے، پتھر، برتن اور دوسری چیزوں پر ایسے نمونے بنائے جاتے ہیں جو کسی خاص واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اس نیاباتی آرٹ کو دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ مذہب کا آرٹ سے کس قدر قریبی تعلق ہے۔ دونوں ایک دوسرے سے کسی طرح جدا نہیں کیے جا سکتے۔ فرضی داستانیں بیان کرنا، مذہبی دیوتاؤں اور سورماؤں کی پراسرار زندگی کو زندہ جاوید بنانا، اپنے مختلف دیوی دیوتاؤں کا عتاب اور قہر ظاہر کرنا، جادو اور ٹوٹم کے اثرات نمایاں کرنا، ناچتی ہوئی تصویریں دکھانا یہ سب آرٹ کے ذریعے سے ممکن ہے۔ اسی لیے ہم دنیا میں ہر جگہ دیکھتے ہیں کہ آرٹ کے مختلف نمونوں کے ذریعے مذہبی رجحان واضح کیے جاتے ہیں۔

پلاسٹک اور گرافک آرٹ Plastic and Graphic Art

پلاسٹک اور گرافک آرٹ کے ضمن میں "آدی باسیانہ آرٹ" کی اصطلاح دو معنوں میں استعمال ہوتی ہے۔ ایک تو ہم آج سے ہزاروں برس کی فنکاریوں پر نظر ڈالتے ہیں جب کہ آرٹ بالکل ابتدائی شکل میں تھا۔ دوسرے موجودہ زمانے میں بسنے والے آدی باسیوں کے فنی نمونے ہمارے سامنے ہیں۔ حقیقت میں ہمارے ہم عصر آدی باسی بعض ایسے خوب صورت ڈزائن بناتے ہیں کہ ان کی دماغی صلاحیت، جمالیاتی ذوق اور ندرت پن پر تعجب ہوتا ہے۔

انسان میں فطری طور پر پایا جانے والا جمالیاتی ذوق ہمیں

پرانے پتھر جگ کی فنکاریوں میں بھی نظر آتا ہے۔ اسی زمانے میں انسانوں
نے سیپی اور پتھروں کے زیوروں کو خوب صورت بنانا شروع کیا تھا۔ مغربی
یورپ میں دیواروں اور چھتوں پر پالی کروم پینٹنگ (Polychrome)
بڑی بہترین حالت میں ملتی ہے۔ اس زمانے میں عام طور پر جانور، ہاتھی،
جنگلی سوّر اور گھوڑے اتارے جاتے تھے۔ ہاتھی دانت کے چھوٹے چھوٹے
ٹکڑوں کو کافی نزاکت سے تراشا جاتا تھا۔ عام طور پر برہنہ عورتوں کے
مجسمے بنائے جاتے تھے۔ وینس آف ولینڈرآف Venus of Willendorf
اس زمانے کے فن کی نشان دہی کرتی ہے۔ اس سلسلے میں جنوبی آفریقہ
کے بش مانس (Bushman) کا ذکر ضروری ہے۔ یہ لوگ انسانوں
اور جانوروں کو مختلف زاویوں سے پیش کرتے تھے یعنے چلتے پھرتے، شکار
کرتے وغیرہ۔

ہندستان کی حد تک ۱۸۸۰ء میں سب سے پہلے قبل تاریخی
آرٹ کا پتہ چلا۔ یہ دریافتیں اترپردیش میں ہوئیں۔ مدھیہ پردیش میں
بھی کئی چٹانوں پر کی ہوئی مصوری کے نمونے ملتے ہیں۔ یہ لوگ انسانوں کی
تصویروں کے علاوہ جانوروں اور پرندوں کی تصویریں بھی بناتے تھے۔ نیچ
ہندستان کی دوسری چٹانوں کے نمونے دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اس زمانے
میں لوگ کس قسم کے آلات اور اوزار استعمال کرتے تھے۔

اگر ہم خود اپنے ہم عصر آدی باسیانہ آرٹ پر نظر ڈالیں تو ان کے
نمونے دیکھنے کے بعد ایسی اچھی چیزوں کو خام تمدنی کہتے ہوئے طبیعت ہچکچاتی
ہے، کیوں کہ بہت سے سماجوں میں یہ آرٹ کافی اونچے معیار کا ہوتا ہے۔ آرٹ
کے بہت سے ڈزائن روایتی ہوتے ہیں اور ان کا اپنا خاص طرز ہوتا ہے

لیکن اگر حیدرآباد کے چنچوؤں کے آرٹ کو دیکھیں تو وہ بالکل بچکانی معلوم ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف بستر کے قبیلوں کا آرٹ جمالیاتی لحاظ سے کافی مسرت بخش ہوتا ہے بُش مانسی آرٹ کی طرح اسکیمو آرٹ فطری ہوتا ہے۔ غرض روایتی، تاریخی، تمدنی، معاشی اور سماجی زندگی کے اثرات ہم کو آدی باسیانہ آرٹ میں ملتے ہیں۔ آسٹریلیا کا آدی باسیانہ آرٹ زیادہ تر گرافک ہوتا ہے۔ یہ لوگ مورتیاں بالکل نہیں بناتے اس لیے جو بھی آرٹ کے نمونے ملتے ہیں وہ چٹانوں پر کھدائی اور چٹانوں پر کی ہوی مصوری ہوتی ہے۔

پانچواں حصّہ :- تمدن

نواں باب

تمدن کا مفہوم اور وسعت

انسانی افعال کا فرق:

جسمانی انسانیات میں انسان کے جسمانی ارتقا اور جسمانی ساخت کا اور تمدنی انسانیات میں انسان کے افعال و اعمال اور اس کی سماجی زندگی کے طور طریقوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ تمام دنیا کے انسان ایک ہی نوع "Homo-Sapiens" سے تعلق رکھنے کے باوجود تمدنی لحاظ سے مختلف ہیں۔ یہ اختلافات نسلی فرق کی وجہ سے بھی نمودار ہوتے ہیں۔

انسانی افعال کا یہ فرق زندگی کے ہر شعبے میں پایا جاتا ہے چاہے وہ معیشت ہو یا سیاست، مذہب ہو یا سماج، عادات و اطوار ہوں یا رسم و رواج، آداب گفتگو ہوں یا بول چال کے طریقے ان میں سے اگر ہم ایک شعبے کو سمجھ لیں تو پھر دوسروں کا سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک طریق معیشت ہی کو لیجیے۔ چنچو قدرت کی فیاضیوں پر اپنا جیون بتاتے ہیں۔ گونڈ زراعت

of men" [1] ہیں اور خلاف عقل بھی۔

یہی چیز انسان کے افعال کے سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔

انسانیات میں تمدن کی اصطلاح اس معنی میں استعمال نہیں ہوتی۔ جس معنی میں ہم اسے روزمرہ استعمال کرتے ہیں۔ عام خیال یہ ہے کہ سب سے اچھا تمدن اس جگہ کا ہوتا ہے جہاں تعلیم و تربیت اور سائنسی اور میکانی ترقیاں زیادہ ہوتی ہیں۔ اسی طرح "مہذب" یا Cultured آدمی اُسے کہتے ہیں جو ادب، فن، موسیقی کی واقفیت کے ساتھ ساتھ طبیعت کا اچھا ہو۔ انسانیات میں کلچر کے اِس مفہوم کو اہمیت نہیں دی جاتی۔ یہاں کلچر کی وسعت صرف چند چیزوں کی معلومات ہی تک محدود نہیں ہوتی بلکہ اس میں انسان کی جدوجہد کے تمام افعال شامل ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے تمدن میں نہ صرف آرٹ، موسیقی اور ادب بلکہ برتن بنانا، کپڑے بننا اور گھروں کی تعمیر کی ٹکنیک بھی شامل ہے۔ کلچر میں صرف اونچے معیار کی چیزیں ہی داخل نہیں ہیں بلکہ جس طرح بہترین گانوں کی کتابیں کلچر کا جزو ہیں اسی طرح وہ ناچ اور گانے بھی جو سڑک چلنے والے ناچتے اور گاتے ہیں۔ جس طرح مشہور فن کار (Leonardo da Vinci) کا بہترین آرٹ تمدن کا جز ہے، اُسی طرح چینیوں کے بچکانی آرٹ کے نمونے بھی اس میں شامل کیے جاتے ہیں۔

تمدن کی خصوصیتیں:

۱۔ تمدن کی سب سے نمایاں اور بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ وہ نہ

---

1 Ralph Linton "The Science of Man in the World Crisis"
Chapter on "The Concept of Culture" P 97

تو پیدایشی ہوتا ہے اور نہ فطری۔ نسلی خصوصیتوں کی طرح یہ وراثتاً منتقل نہیں ہوتا بلکہ اسے حاصل کرنا اور سیکھنا پڑتا ہے۔ کلچر میں جو فرق پایا جاتا ہے اس کی وجہ صرف یہی نہیں کہ پیدایشی طور پر انسانوں کی صلاحیتیں مختلف ہوتی ہیں بلکہ اس وجہ سے بھی کہ اس کی پرورش مختلف طریقوں پر کی جاتی ہے۔ بات کرنے، ملنے جلنے، سوچنے اور عمل کرنے کے سب ہی طریقے سیکھنے پڑتے ہیں اور جیسے جیسے ان چیزوں میں تبدیلی ہوتی ہے اسی طرح آدابِ گفتگو اور افعال کے طریقے بھی بدلتے ہیں۔

انسانی دماغ کچھ اس قسم کا واقع ہوا ہے کہ وہ ہمیشہ کسی نہ کسی چیز کی دریافت اور اس کے استعمال کے متعلق سوچتا رہتا ہے اور جو کچھ وہ سیکھتا اور سوچتا ہے اُسے دوسروں کو منتقل بھی کرتا جاتا ہے۔ سیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز ہم میں موجود نہیں ہے بلکہ ایک خارجی چیز ہے۔ یہی وہ چیز ہے جو انسان اور حیوان کے درمیان فرق پیدا کرتی ہے۔

۲: تمدن کی نوعیت کم و بیش ایک عضویہ (Origanism) کی ہوتی ہے۔ اس کے مختلف حصوں کا تعلق آپس میں ایک دوسرے سے گہرا ہوتا ہے اور جب یہ سب آپس میں مل کر ٹھیک طرح سے کام کرتے ہیں تو تمدن میں استواری پیدا ہوتی ہے۔

۳: تمدن کو مختلف اجزا میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک طرف مادّی تمدن، اور ٹکنالوجی۔ دوسری طرف سماجی تنظیم اور سماجی زندگی۔ مذہب، عقیدے، رسم و رواج اور آرٹ بھی تمدن کے مختلف اجزا ہیں۔

۴: تمدن کو اختیار کرنے اور سیکھنے والا کوئی ایک فرد نہیں، بلکہ پوری جماعت ہوتی ہے۔ اس لیے تمدن کسی ایک فرد کا اجارہ نہیں بلکہ اجتماعی

چیز ہے۔ ایک منظم جماعت کے ارکان تمدن کے مشترک مالک ہوتے ہیں، اس لیے تمدن پورے سماج کی ملکیت ہوتا ہے۔

۵ : تمدن جماعتی عادتوں کی ترجمانی کرتا ہے۔ عادت مختلف طریقے سے سکون بخشتی ہے۔ جب کسی شخص میں اعصابی تناؤ پیدا ہوتا ہے تو وہ اس تناؤ کو دور کرنے کے لیے مختلف حرکتیں کرتا ہے۔ بعض لوگ ہاتھ ملنے لگتے ہیں، بعض ٹہلنے لگتے ہیں بعض آہیں بھرتے ہیں۔ اس تناؤ کو دور کرنے کے علاوہ تمدن انسان کی بنیادی ضرورتوں کو بھی پورا کرتا ہے۔ بھوک اور جنسی ضرورت کو پورا کرنا اور ذاتی اہمیت اور شہرت کے جذبے کو تشفی پہنچاتا ہے۔

۶ : تمدن کے کسی ایک جز کا علیٰحدہ مطالعہ نہیں کیا جا سکتا؛ کیوں کہ تمدن خود کئی عنصروں کے ملنے سے بنتا ہے۔ اس میں آرٹ، ٹکنالوجی، مذہب، سماجی طور طریقے اور عادات و اطوار شامل ہیں، اس لیے تمدن کے کسی ایک جز کا مطالعہ کرتے وقت پورے تمدن کو پیش نظر رکھنا پڑتا ہے۔ تمدن کے اس پہلو کے بارے میں روتھ بینیڈکٹ نے (Ruth Benedict) جو تحقیقی کام کیا ہے وہ ہم کو ان کی مشہور تصنیف "Patterns of Culture" میں نظر آتا ہے۔

۸ : تمدن کبھی پورے سکون کی حالت میں نہیں رہتا۔ اس میں کچھ نہ کچھ تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں اسی لیے تمدن میں حرکیت پائی جاتی ہے۔ ان تبدیلیوں اور ردّ و بدل کے باوجود تمدن میں تسلسل پایا جاتا ہے۔ تبدیلی کا نتیجہ اختلاف کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ جب تمدن میں اختلاف اور تبدیلی پیدا ہوتی ہے تو مطابقت کا سوال بھی پیدا ہوتا ہے تاکہ فرد اپنے آپ کو تمدن کی بدلی ہوئی حالت کے ساتھ مطابق کر سکے۔

ایجاد اور پھیلاو (Invention and Diffusion)

تمدن میں جو ہمیشہ ردّ و بدل ہوتا رہتا ہے ، اُس کا ثبوت بزرگوں کے رسم و رواج ، عقیدے ، توہمات ، رہن سہن کے طریقوں اور طرز گفتگو سے ملتا ہے۔ پرانی کتابیں اخبار ، اشتہار ، رسالے اور فوٹوگراف بھی تبدیلی کی شہادت دیتے ہیں۔ جس طرح ہم عصر تمدن میں جگہ کی دوری کی وجہ سے تھوڑا بہت اختلاف پایا جاتا ہے اسی طرح صدیوں کے بیتنے کی وجہ سے اُسی تمدن میں فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ تمدن میں نمایاں تبدیلی اسی وقت ہوتی ہے جب کسی سماج میں کوئی ایجاد عمل میں آتی ہے یا مختلف سماجوں میں رابطہ بڑھنے کی وجہ سے تمدنی پھیلاو واقع ہوتا ہے یعنی تمدن کے عناصر ایک سماج سے دوسرے سماج میں پھیلتے ہیں ، اس لیے تمدن کی تبدیلی کا مطالعہ کرتے وقت ایجاد اور پھیلاو دونوں کا مطالعہ ضروری ہے۔

ایجادیں دو طرح کی ہوتی ہیں۔

۱. ابتدائی یا بنیادی (Primary or Basic)

۲ : ثانوی یا اصلاحی ('Secondry or Improving')

پرائمری یا بنیادی ایجادوں کے لیے کسی نئے اصول کا دریافت ہونا ضروری ہے اور ثانوی ایجادوں میں ان دریافت شدہ اصولوں کا انطباق کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر کمان کو لیجئے۔ ممکن ہے کہ سب سے پہلے کسی شخص نے ضرورت یا محض اتفاق سے کسی باریک لکڑی کے کونوں کو موڑا ہوگا۔ تب کہیں اس کو علم ہوا کہ اس کی شکل بیچ میں دائرہ نما بنتی ہے۔ کمان بنانے کا اصول پرائمری ایجاد ہے اور اس کا انطباق ثانوی ایجاد ہوی۔

پرانی کہاوت ہے کہ "ضرورت ایجاد کی ماں ہے" ضرورت کے کارن لوگ برسوں محنت اٹھاتے اور لگاتار جانفشانی کرتے ہیں۔ تب کہیں وہ کوی خاص چیز دریافت کر سکتے ہیں۔ لیکن ہر ایجاد کے لیے ضروری نہیں کہ وہ کسی خاص ضرورت کے تحت ہی عمل میں آئے۔ بعض وقت محض اتفاقیہ طور پر کوی کام کرتے کرتے ہمیں ایک نئی چیز کا پتہ چل جاتا ہے جو غیر شعوری طور پر عمل میں آتی ہے۔ اس قسم کی ایجادیں محض ضرورت کا نتیجہ نہیں ہوتیں، بلکہ ان میں حسن اتفاق، کاریگروں کے تجربے اور مہارت کا دخل ہوتا ہے۔

تمدن کی بہت سی ایجادوں کے بارے میں ہمارے پاس کوی تاریخی معلومات نہیں ہیں کہ وہ قطعی طور پر کس خاص زمانے میں دریافت ہوئیں۔ ہم نہیں جانتے کہ آگ کب دریافت ہوی، کب اس کا استعمال شروع اور کس طرح اس پر قابو پایا گیا؟ یہی حال کمان کی دریافت کا ہے۔ جانوروں کی پرورش کے آغاز سے متعلق بھی جو کچھ معلومات ہیں وہ زیادہ تر قیاس پر مبنی ہیں۔ اس کے برخلاف چرخے کی ابتدا، لکھای، پودوں کی نگہداشت اور آوزاروں کے استعمال کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ قریب مشرق (Near Eeast) میں کوی دس ہزار سال قبل مسیح ان چیزوں کی دریافت عمل میں آی۔ پھیلاؤ کے عمل سے یہ ایک جگہ سے دوسرے جگہ پہنچیں۔ اور ثانوی ایجادوں کے ذریعے ان میں تبدیلیاں ہویں۔ آج ہم ان چیزوں کو جس حالت میں دیکھ رہے ہیں، ظاہر ہے کہ وہ اُن کی تبدیل شدہ حالت ہے۔

چھٹا حصہ:- انسانیات اور قبیلای بھلای

دسواں باب

نظم و نسق میں انسانیات کا حصہ

دنیا کے نظم و نسق کی تاریخ کے لیے یہ ایک افسوسناک امر ہے کہ اس نے ایک عرصے تک آدی باسی علاقوں اور ان کے مسئلوں سے لاپرواہی برتی۔[1] اس زمانے میں نہ تو بے ضابطہ تمدنی ربط (Unregulated Culture Contact) کو روکنے کا کوی انتظام تھا اور نہ ان کو معاشی اور سماجی استحصال سے محفوظ رکھنے کے لیے کوی قانون تھا۔ نہ تو ان کی زندگی کو سدھارنے کے لیے کوی تعلیمی اور فنی کوششیں جاری تھیں اور نہ ان کے ادب اور فنکاریوں کو بچانے کے لیے کوی اسکیم۔ وبہ عمل لای گی تھی۔ اس لاپرواہی اور غفلت کا یہ نتیجہ ہو رہا تھا کہ آدی باسی حق اور انصاف سے محروم، ناقابل بیان ظلم اور استحصال کا شکار ہو رہے تھے۔ ان کی زندگی میں انتشار، بدمزگی اور بے چینی نمودار ہو گئی تھی۔

ایک طرف یہ حالت تھی اور دوسری طرف یوروپیوں کے عمل دخل کی وجہ سے ان میں ایسی بیماریاں پھیل گئی تھیں جو ان کی آمد سے پہلے ناپید تھیں مثلاً اسکارلٹ بخار، ڈفتھیریا، گوبری، دق وغیرہ۔[1]

1. Goldenweiser. "Anthnopology" p 428

مجبور ہو کر عیسائی مذہب قبول کرنے کی بدولت ان کے مذہبی اعتقادوں کو دھکا پہنچ رہا تھا، جس کی وجہ سے تمدنی ابتری (Cultural deterioration) پیدا ہو رہی تھی۔ اس اذیت رسانی کے ساتھ ساتھ نادان حکمران بسا اوقات ان غریبوں کی توہین بھی کیا کرتے تھے۔ اس کی ایک مثال اس تصویر سے ملتی ہے جو ایک جرمن رسالے سے ماخوذ ہے۔ کسی پالینیشی جزیرے میں آدی باسیوں کے دیوتا کی ایک مورتی تھی، جو فنکارانہ نقطہ نظر سے چاہے کیسی بھی ہو، اس سے آدی باسیوں کے عقیدت آمیز جذبات وابستہ تھے۔ جب تبدیل مذہب کی تحریک کامیاب ہوی اور نصف سے زیادہ آبادی عیسائی ہو چکی تو مغرور عیسائی مبلغوں نے رعونت سے اسی دیوتا کے منہ میں ایک گرجا کا گھنٹہ لٹکا دیا۔ اس قسم کی نازیبا حرکتوں سے آدی باسی سماج کو سخت نقصان اور آدی باسیوں کو روحی تکلیف پہنچتی تھی۔

ایک اور مصیبت یہ تھی کہ ان آدی باسیوں کو ڈاکٹر، استاد اور زرعی عہدہ دار ہر ایک اپنے اپنے نقطہ نظر سے جانچتا تھا۔ ڈاکٹر ان کے توہموں کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ استاد انھیں "پست حالت" سے نکالنے کے لیے تعلیم دینا چاہتے تھے اور زرعی عہدہ دار انھیں سست، کاہل اور کام چور سمجھ کر ان کی محنتوں کا استحصال کر رہے تھے۔ یہ تمام باتیں جیسا کہ اپیرانا نگاٹا (Apirana Nagata) نے بتایا ہے، مغربیوں کی ناروا داری، تنگ نظری، تعصب اور ذہنی نفرت کا نتیجہ تھیں۔ [1]

---

1 Linton "The Science of Man in the World Crisis" p 374
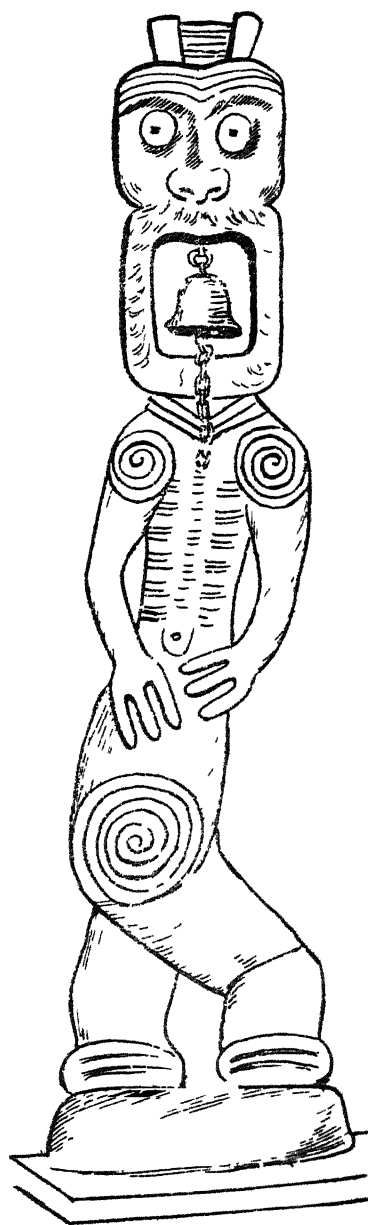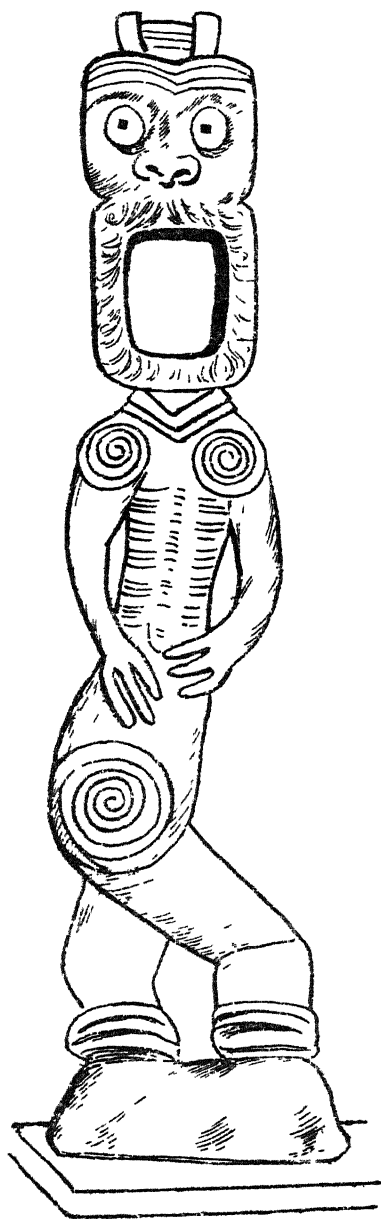
آدی باسیوں کی اس گرتی ہوی حالت کی طرف سے بے توجہی،
ان کے معاملوں اور مسئلوں سے یکسر غفلت، ان کی زبانوں، خیالوں، رجحانوں
اور اعتقادوں سے ناواقفیت کا مجموعی اثر یہ ہوا کہ نظم و نسق میں پیچیدگیاں
بڑھنے لگیں۔ حاکم اور محکوم کے تعلقات میں کھینچاؤ اور تناؤ پیدا ہونے لگا
اور آدی باسیوں کی زندگی سے ہنسی خوشی اور دلچسپی کا عنصر رفتہ
رفتہ کم ہونے لگا۔ اس خرابی کو محسوس کرتے ہوے سب سے پہلے متحدہ امریکی
ریاستوں نے ۱۸۷۹ء میں لال ہندیوں (یعنے امریکا کے اصل باشندوں)
کے حالات کا مطالعہ کرنے کے لیے امریکی انسانیاتی بیوروْ قایم کیا۔ اس کے
بعد فلپائن والوں نے فلپائن انسانیاتی سروے قایم کیا تاکہ ان جزیروں
میں بسنے والوں کی زندگی کے متعلق تحقیق کرنے کے بعد حکومتی پالسی کا تعین
کیا جائے۔ اس قسم کے کاموں میں سب سے نمایاں حصہ ڈچوں کا ہے،
جنھوں نے ۱۹۰۶ء سے ۱۹۱۴ء تک دور دور کے علاقوں میں بسنے والوں کی
زندگی کے متعلق مواد جمع کرنے کے لیے وسیع پیمانے پر تحقیقات جاری رکھیں۔
ان کے تمدن، زبان اور ادب کے بارے میں کافی مواد جمع کیا۔ ۱۹۲۲ء میں
آسٹریلیا والوں نے قانون ساز مجلس میں ایک ماہر انسانیات کا انتخاب
کیا تاکہ آدی باسیوں کے لیے قانون بناتے وقت اس سے مدد مل سکے اور
ان کی ضرورتوں کو پیش کرنے کے لیے ایک خاص نمائندہ موجود ہو۔

یہ تمام کوششیں دراصل اس نظریے کا نتیجہ تھیں کہ تہذیب یافتہ
لوگوں اور آدی باسیوں پر نظم و نسق کے یکساں اصول لاگو نہیں کیے جا سکتے بلکہ
آدی باسی سماج کے نفسیاتی، مذہبی اور معاشی مسئلوں کو دیکھتے ہوے اور
اس کی قدروں کے ڈھانچے (Value Structure) کو سمجھتے

ہوئے آئین اور ضابطوں کی تشکیل عمل میں لائی جائے۔ پروفیسر فلاور (Flower) نے ٹھیک کہا ہے کہ:

"It is absolutely necessary for the stateman who would govern successfully not to look upon human nature in the abstract & endeavour to apply universal rules, but to consider the special moral, intellectual and social capabilites, wants and aspirations of each particular race with which he has to deal". [1]

جو سیاست دان کامیابی سے حکومت کرنا چاہے اس کے لیے یہ قطعی ضروری ہے کہ وہ انسانی فطرت کو محض نظری طور پر نہ دیکھے اور سب کے لیے ایک ہی قسم کے قاعدے لاگو کرنے کی کوشش نہ کرے بلکہ جس خاص نسل سے اسے سابقہ پڑے اس کے مخصوص اخلاقی، ذہنی اور سماجی صلاحیتوں، ضرورتوں اور ارمانوں کا لحاظ رکھے۔

ظاہر ہے کہ ان اخلاقی حالتوں، دماغی صلاحیتوں اور سماجی کیفیتوں کو جاننے اور ان کی ضرورتوں کو پرکھنے کے لیے انسانیات کا جاننا ضروری ہے۔ آدی باسیوں کی زندگی کو سمجھنا اور حاکم و محکوم کے درمیان

1 Evans-Pritchard "Social Anthropology" p. 124

دوستانہ تعلقات پیدا کرنا، ایک دوسرے کے احساسوں اور رجحانوں کو دیکھتے ہوئے حکومتی پالسی کا تعین کرنا انسانیات کے ماہرانہ معلومات کے بغیر ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے، اس لیے جب وراثتی جھگڑوں، گھریلو ٹنٹوں، مذہبی اعتقادوں، سرداری قیادتوں، سماجی رسموں، زمین اور محنت کے مسئلوں اور جادو وٹابو کے طریقوں سے نبٹنا پڑتا ہے تو ایسے عہدہ دار کی ضرورت ہوتی ہے جو انسانیات سے واقف ہو، جس میں وسعت نظر ہو، جس کا مشاہدہ وسیع ہو اور جو متوقع حالت اور نتیجوں کے بارے میں پیش قیاسی کر سکے

ڈاکٹر بیگل ہول (Beaglehole) کا قول ہے۔

اگر حکومت کے انتظامی عہدہ دار انسانیاتی نقطہ نظر سے معاملات کو دیکھا کریں تو دیسی باشندوں پر حکومت کرنے میں کارگزاری رواداری، روشن خیالی اور ہمدردی بے انتہا بڑھ جائے گی تعلیم دینے والے، مذہب پھیلانے والے اور حکومت کا انتظام کرنے والے اگر یہ چاہتے ہوں کہ لوگوں کے ساتھ ان کے تعلقات نتیجہ خیز اور دوستانہ رہیں تو انھیں انسانیات سے آگاہی ضروری ہے،

"The inoculations of administrators & officials with the anthropological point of view contributes immeasurably to a more efficient, tolerant, enligtened & sympathetic government of the native people concerned The educator, the missionary the administrator need anthropological sophistication if their relations with native people are to be

اسی طرح ہمارے شہریوں کو بھی باخبر رہنا چاہیئے اگر وہ ان پالیسیوں اور طریقوں پر کڑی نگاہ رکھنا چاہتے ہوں جن کے مطابق مملکت اور اس کے زیر اثر دیسی باشندوں کے تعلقات قائم کیے جاتے ہیں۔

fruit ful & friendly, the citizen needs the same informed knowledge if he is to be critically aware of the policies & methods that rule the relations of his state to the native peoples in its charge" 1

ایک واقعہ کے ذریعے اس کی وضاحت ہوتی ہے کہ کس طرح ایک معاملے میں مداخلت کرکے انسانیات کے ماہروں نے ایک نازک مسئلے کا حل پیش کیا۔ افریقہ میں پرانے زمانے سے یہ دستور چلا آرہا تھا کہ شادی سے پہلے مرد کو اپنی بہادری اور ہمت کا ثبوت دینے کے لیے انسانی کھوپڑی پیش کرنی ہوتی تھی ظاہر ہے کہ حق اور انصاف کے نقطہ نظر سے اس قسم کی بربریت نئے زمانے کی کوئی حکومت بھی روا نہیں رکھ سکتی۔ انسانیات کے ماہروں نے حکومتی عہدیداروں کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ اس مسئلے کو زور اور طاقت کے ذریعے نہیں بلکہ اس کا بدل پیش کرکے حل کیا جاسکتا ہے، چناں چہ انھوں نے آدی باسیوں کو یہ مشورہ دیا کہ اگر انسانی کھوپڑی کی بجائے جنگلی سوّر کی کھوپڑی پیش کی جائے تو اس سے زیادہ بہادری اور جانبازی کا ثبوت ملتا ہے۔ [2]

---

1 Linton "The Science of Man in the World Crisis". p 381

2. Dube, Dr. "Anthropology" p 134

انسانیات کا یہ بنیادی اصول ہے کہ تمدن کا چاہے کوئی پہلو ہو
وہ اس وقت تک اچھی طرح سمجھ میں نہیں آسکتا جب تک کہ زندگی کے تمام
پہلوؤں کے ساتھ ساتھ اس کا مطالعہ نہ کیا جائے، کیوں کہ ہر سماج
کے چاہے وہ کتنا ہی سادہ کیوں نہ ہو کچھ نہ کچھ خاندانی اصول ہوتے ہیں،
رشتہ داریاں ہوتی ہیں اور اس کی خاص معیشت ہوتی ہے، سیاسی
طریق، سماجی درجہ بندیاں اور ضابطہ داریاں ہوتی ہیں، مذہبی اعتقادات
اور تفریح کے طریقے ہوتے ہیں۔ جھگڑوں کے انسداد اور مجرموں کو سزا دینے
کے قاعدے ہوتے ہیں، غرض زندگی کے ان مختلف شعبوں کا ایک دوسرے سے
قریبی تعلق ہوتا ہے، اس لیے تمدن کے کسی ایک پہلو کو سمجھنے اور اس میں تبدیلی
کرنے کے لیے دوسرے پہلوؤں کا مطالعہ کرنا اور سمجھنا ضروری ہے۔ میاں بیوی
کے درمیان جب کوئی جھگڑا ہو تو مجسٹریٹ اس کو عام طریقوں سے نہیں سلجھا سکتا
بلکہ اس مخصوص سماج کی معاشی زندگی، رسم و رواج، رجحانوں اور
اعتقادوں کو دیکھتے ہوئے اس کا تصفیہ کرنا ہوگا۔ اسی طرح زمین، محنت اور
حقیت اراضی کے مسئلوں میں تبدیلی کرنے اور نئے اصول اور قاعدے
نافذ کرنے سے پہلے یہ غور کرنا ضروری ہے کہ ان سے کیا نتیجے نکلیں گے؟ یہاں
پر ماہر انسانیات صرف یہ نہیں دیکھتا کہ واقعات کیا ہیں بلکہ وہ یہ بھی
پیش قیاسی کرتا ہے کہ ان ضابطوں کے نتیجے آگے چل کر کیا نمودار ہونگے،
کیوں کہ معیشت کی تبدیلی سے سماج اور مذہب کا متاثر ہونا ضروری ہے۔
مثال کے طور پر بیگاؤں (Baigas) میں سطحی کاشت
(Shifting Cultivation) کا طریق رائج ہے جس کو
وہ لوگ ''بیور'' کہتے ہیں۔ یہ لوگ عام طور پر زمین کو مقدس مانتے اور اس کے

ہل چلانا گناہ سمجھتے ہیں۔ اب اگر حکومت ان کو زراعت کے نئے طریقوں کی
طرف مائل کرنا چاہے تو ضروری ہے کہ وہ جلد بازی نہ کرے بلکہ "دھیرے
چلو" (Go slow) کی پالیسی کے مطابق ان کے مذہبی رجحانوں
کو پیش نظر رکھتے ہوئے آئین و ضابطے تشکیل دے۔ بعض اوقات دیسی باشندے
سرکاری احکام کی نافرمانی پر اُتر آتے اور جارحانہ مسلک اختیار کرتے ہیں۔
ایسے بحران کے زمانے میں خوشگوار فضا پیدا کرنے کے لیے انسانیات کے
ماہرانہ معلومات ضروری ہیں۔

تمدن کے حرکیاتی پہلو اور تمدن بندی کے طریقوں سے واقف ہونے
کی بناپر انسانیات کا ماہر دوراندیشانہ پالیسی کا تعین کرکے نظم و نسق میں
بڑی مدد دے سکتا ہے۔ حیاتیاتی بھلائی، حفظان صحت، معاشی
بازبسائی، مذہب، تعلیم ان سب مسئلوں کو متعلقہ عہدیدار حل کر سکتے
ہیں لیکن انسانیاتی معلومات کے ذریعے ان کو بہتر طریقے پر حل کیا جاسکتا ہے۔

گیارہواں باب

آدی باسی علاقوں کے لیے نظم ونسق کے نمونے

ابتدای انیسویں صدی میں دنیا کے مختلف حصوں میں یہ احساس برابر بڑھتا جارہا تھا کہ آدی باسی علاقوں کی طرف سے لاپرواہی برتنے کا نتیجہ خام تمدنی باشندوں کی زندگی میں انحطاط کا باعث ہورہا ہے۔ اس احساس کی بناپر امریکا، روس اور افریقہ کی حکومتوں نے آدی باسیوں کی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے جو طریقے اختیار کیے ان کے نام یہ ہیں:
انڈیانی پالیسی۔میل جول کی ترقی پذیر پالیسی۔ بالواسطہ حکومت کا طریق۔

انڈیانی پالیسی (The Indianist Policy)

امریکا کے اصل باشندوں یعنی لال ہندیوں کی معاشی اور سماجی تباہی کو دیکھتے ہوئے متحدہ امریکی ریاستوں نے ہندیوں کے معاملات کے خاص دفتر قایم کیے، لیکن عملی طور پر یہ سرکاری انجنسیاں کوی ایسا کام نہیں کرسکیں جس سے لال ہندیوں کی زندگی سدھر سکتی۔ جبریہ محنت اور بےگار کا طریقہ جاری رہا اور مادی وذہنی اعتبار سے لال ہندی بہت بری طرح احساس

کمتری کا شکار ہوتے رہے۔ آخر کار ۱۸۲۴ء میں ایک قانون نافذ کیا گیا، جس کی رو سے لال ہندیوں کی زندگی کو خود کفیل بنانے کے لیے انھیں زمینیں دی گئیں اور اُن زمینوں کو بیچنے اور پٹے پر دینے کا انھیں پورا حق دیا گیا۔ شادی شدہ لوگوں کو کنواروں کے مقابلے میں زیادہ زمینیں دی گئیں لیکن نتیجہ اس کا یہ نکلا کہ ۱۸۸۶ء تک تقریباً ۸۰ فیصد زمینیں آدی باسیوں کے ہاتھوں سے نکل گئیں جس کی وجہ سے ان کی سماجی زندگی اور پست ہو گئی۔ اس لیے ضروری تھا کہ حکومت کوئی ایسا اقدام کرے جس سے ان کے حقوق کا مناسب تحفظ ہو سکے۔ چناں چہ ۱۹۳۴ء میں ایک قانون منظور کیا گیا جس کے ذریعے زمینوں کے مسئلے، مقامی حکومت، خود اختیاری کے مسئلے لال ہندیوں کو معاشی اور انتظامی معاملوں میں تربیت دینے کے مسئلے سلجھانے کی کوشش کی گئی۔ اس قانون نے یہ شرط لگا دی کہ لال ہندیوں کی زمینیں صرف لال ہندی ہی خرید سکینگے۔ اس کے علاوہ ان کی خاص ضرورتوں کا خیال کر کے لال ہندیوں کے لیے ایسی تعلیم کا انتظام کیا گیا جو مقامی حالات سے مطابقت پیدا کرنے میں ان کی مدد کر سکے۔ غالباً یہی اسباب تھے جن کی وجہ سے یہ پالیسی بہت کامیاب ثابت ہوئی۔

میل جول کی ترقی پذیر پالیسی

(The Forward Policy of Assimilation)

سوویٹ یونین نے آدی باسیوں کے لیے جو پالیسی اختیار کی، اس کی بنیاد یہ تھی کہ ان باشندوں پر تمدنی بوجھ ڈالنے کی بجائے ان سے میل جول

بڑھایا جائے۔ چنانچہ ان کی زبانیں تسلیم کی گئیں اور ان لکھی بولیوں کو لکھاوٹ تشکل دی گئی۔ لوک گیت اور کہانیاں محفوظ کی گئیں ان کے لوک گانوں پر کتابیں لکھی گئیں اور لوک ناچ اور ڈراموں کو بولتے فلموں میں ڈھالا گیا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ ان میں خود اعتمادی کی فضا پیدا کی جائے۔

غرض روسی حکومت نے خام تمدنی باشندوں کو ترقی پذیر بنانے کے لیے دباؤ اور جبر کی پالسی اختیار نہیں کی۔ ان کی زندگی میں ہر جہتی سدھار پیدا کرنے کے لیے حمل ونقل کے ذریعوں کو ترقی دی گئی۔ حفظان صحت کے اصول رائج کیے گئے۔ زراعت کو ترقی دی گئی۔ ان ہی کی زبان میں ان کی تعلیم کا انتظام کیا گیا۔

بالواسطہ حکومت کا طریق (Indirect Rule)

افریقہ کے اصل باشندوں اور خام تمدنی جماعتوں کی زندگی میں بہت جانداری پائی جاتی ہے۔ ان کے اداروں میں بقا کی قوت اور نشوونما کی طاقت معلوم ہوتی ہے۔ اسی کے مدنظر ماہرین نے بالواسطہ نظم ونسق پر زور دیا ہے۔ چوں کہ آدی باسی اداروں میں کام کرنے کی صلاحیت موجود ہے اس لیے یہ اور بھی ضروری ہے کہ پہلے سے سوچ کر ایسی پلاننگ کی جائے جس سے حاکم ومحکوم کے درمیان ناخشگواری اور کھینچاؤ کم ہو، باہمی تعاون اور آپسی رواداری بڑھے نیز ایک دوسرے کو پہچاننے کی صلاحیت پیدا ہو اور آدی باسی اس قابل بنائے جائیں کہ وہ مقامی حکومت کے اہل بنیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ طریق افریقہ کے اصلی باشندوں کی سماجی ساخت اور اس کے

باہمی بندھنوں کو سمجھنے پر منحصر ہے۔ اس کی وجہ سے جدت کے امکانات بڑھ جاتے ہیں اور تجدید کی بدولت چاروناچار پیدا ہونے والے مسئلوں کا مقابلہ کرنے اور بازمطابقت کے لیے نئی پالیسی کا تعین کیا جاسکتا ہے۔

ہر علاقے میں بالواسطہ حکومتی طریق مروج کرنے سے پہلے دو چیزیں پیش نظر رکھنی پڑتی ہیں۔

۱۔ اصل اداروں (native institution) میں جانداری اور کام کرنے کی صلاحیت باقی ہے یا نہیں ؟

۲۔ ان اداروں کی ساخت اس قابل بھی ہے کہ وہ نئے سیاسی طریق سے مطابقت پیدا کرسکیں۔

دوسرے الفاظ میں ان اداروں کو سنبھالنا، طاقتور بنانا، سدھارنا اور پروان چڑھانا جن میں زندگی کی لو اور ترقی کے جوہر موجود ہیں۔ دوسری طرف، زوال پذیر اور فنا قریب اداروں اور رواجوں سے کوئی سروکار نہ رکھنا اس پالیسی کا مقصد تھا۔

بارہواں باب

حیدرآباد میں آدی باسیوں کے لیے رفاہی جد و جہد

آج آدی باسیوں کی زندگی میں سدھار پیدا کرنے کے لیے جو تعلیمی، طبی، معاشی اور سماجی اسکیمیں نظر آرہی ہیں وہ پندرہ بیس سال پہلے ناپید تھیں۔ اُن دنوں حکومت "چلنے دو اور رہنے دو" کے مسلک پر کاربند تھی۔ وہ آدی باسیوں کے استحصال اور بے ضابطہ تمدنی پھیلاؤ سے بالکل انجان بنی ہوی تھی، جس کی وجہ سے آدی باسی شہری آبادی کے ہاتھوں ظلم و زیادتی کا شکار ہو رہے تھے۔ حمل و نقل کے بڑھتے ہوئے ذریعے اور آفت ڈھا رہے تھے۔ زمینیں ان کے قبضے سے نکل رہی تھیں جنگل کی پیداوار حاصل کرنے میں الگ رکاوٹیں ڈالی جارہی تھیں۔ ایسے وقت میں ان کے سامنے صرف دو صورتیں تھیں یا تو وہ جنگلوں اور کہساروں کے درمیانی حصّے میں چلے جایں یا خود غرض اور لالچی

زمینداروں کے ہاں اجرت پر کام کریں۔ ایک طرف یہ حالت تھی تو دوسری
طرف خود ان کی جہالت، دوسری زبان سے ناواقفیت اور ترقی کی رفتار
سے بے خبری ان کی زندگی میں انتشار اور بے اطمینانی پیدا کر رہی تھی۔

آدی باسیوں کی یہ حالت دیکھتے ہوئے حیدرآباد کی حکومت
نے پس ماندہ جماعتوں اور قبیلوں کی بہبودی اور ترقی کے لیے اسکیمیں
بنانی شروع کیں۔ ۱۹۳۹ء میں ڈاکٹر ہامن ڈارف، آسٹریا (جرمنی)
کے ماہر انسانیات جو اب لندن یونی ورسٹی میں انسانیات کے
پروفیسر ہیں، آسام کے ناگا قبیلے کی تحقیق کرنے کے لیے ہندستان آئے
ہوئے تھے۔ انھیں حیدرآباد کی حکومت نے مقامی آدی باسیوں کی
انسانیاتی سروے کرنے کے لیے مالی امداد اور دوسری سہولتیں فراہم کیں
اور ان سے خواہش کی کہ وہ آدی باسیوں کی زندگی میں خوش حالی اور
بہتری پیدا کرنے کی اسکیمیں پیش کریں۔ چناں چہ وہ کئی سال تک
حیدرآباد کے آدی باسیوں میں رہے اور ان کی زندگی سے متعلق کئی
رسالے اور کتابیں شائع کیں۔ اس کے علاوہ ۱۹۴۲ء میں "The Chenchus"
۱۹۴۴ء میں "The Reddis of the Bison Hills" اور ۱۹۴۷ء میں
"The Raj Conds of Adilabad" کے نام سے
تین ضخیم جلدیں لکھیں جو حکومت حیدرآباد کی سرپرستی میں شایع ہوئیں۔

ان متعدد کوششوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ فروری ۱۹۴۲ء میں چنچوؤں
کی زندگی کو خوش حال بنانے کے لیے ایک خاص علاقہ "چنچو محفوظ" کے نام
سے علیٰحدہ کر دیا گیا۔ اس کے بعد جنوری ۱۹۴۳ء میں سوشیل سروس

ڈپارٹمنٹ (محکمہ سماجی خدمات) کے نام سے ایک خاص دفتر قایم کیا گیا جو قبیلوں، ہریجنوں اور پس ماندہ جماعتوں کی بہتری کا ذمہ دار ہے۔ اسی کے ذریعے سے حکومت ان کی تعلیم، صحت عامہ، زراعت اور تجارت کی طرف توجہ کر رہی ہے۔ ساتھ ہی ہندستانی دستور میں صاف طور پر یہ اُصول تسلیم کر لیا گیا ہے کہ آدی باسیوں کی زندگی کو بہتر اور خوش حال بنانا حکومت کی ذمہ داری ہے۔

۱۹۵۱ء کی مردم شماری میں حیدرآباد میں بسنے والے آدی باسیوں کی تعداد ۳۹۳۳، ۵۰۴، ۳ بتائی گئی ہے۔ ان میں گونڈ، چنچو، کویا، بھیل، بنجارے، پردھان، ٹھوٹی اور نایک پاڈ وغیرہ شامل ہیں۔

گونڈ (Gond)

تاریخی اور تعدادی دونو لحاظ سے حیدرآباد کا سب سے نمایاں قبیلہ گونڈ ہے۔ یہ عادل آباد، کریم نگر اور ورنگل ضلعوں میں پائے جاتے ہیں۔ پردھان، کولم، ٹھوٹی اور نایک پاڈ جنھیں غلطی سے گونڈ کے ذیلی قبیلے سمجھا جاتا ہے طرزِ زندگی کے اعتبار سے نسبتاً بہت پست ہیں۔ گونڈوں کے مذہبی رسموں اور سماجی تیوہاروں میں پردھان ڈھپڑے اور بینگیاں بجاتے ہیں۔ ٹھوٹی پردھانوں کے لیے گاتے بجاتے ہیں اور نایک پاڈ کولم کی طرح جنگلوں میں پھرتے ہیں۔ یہ تمام باتیں اس بات کی شہادت ہیں کہ گونڈوں کا معیارِ زندگی اور رہن سہن ہمسایہ قبیلوں کے مقابلے میں مادی تمدن

اور حاکمیت کا لحاظ کرتے ہوئے کافی بلند ہے۔

گونڈ عام طور پر تانبا مائل بھورے رنگ کے، کالے یا کالا مائل بھورے رنگ کے ہوتے ہیں۔ ان کا قد اوسط، جبڑا چوڑا، گالوں کی ہڈیاں ابھری ہوئی، ناک چھوٹی اور پھیلی ہوئی اور ٹھوڑی کسی قدر نوکدار ہوتی ہے۔

ان کا لباس اور زیور کاشتکار ذاتوں سے کسی طرح بھی مختلف نہیں ہوتا۔ مرد دھوتی، قمیص اور تیوہاروں کے وقت کوٹ پہنتے ہیں اور عورتیں ساڑیاں پہنتی ہیں۔ جس کا ایک سرا مونڈھوں، بازوؤں اور پیٹ کے زیادہ حصے کو ڈھکتا ہے۔ باقی حصے پر گودنے کے مختلف نمونے بنائے جاتے ہیں۔ باڈی کا استعمال زرعی آبادی کرتی ہے۔ گونڈ عورتیں نہیں پہنتیں۔ عورتیں چاندی کا وزنی زیور استعمال کرتی ہیں۔ بازو بند اور کمر پٹہ عورتیں اور مرد دونوں پہنتے ہیں بعض عورتیں کانوں میں بڑے بڑے پھول پہنتی ہیں۔ ہاتھ پاؤں کے چھلے اور گلے کے ہار مختلف سکوں کے بنائے جاتے ہیں۔ عورتیں کالی پوت کے لچھے کے علاوہ سونے اور چاندی کے مالے استعمال کرتی ہیں۔ مقامی بازاروں سے چوڑیاں فراہم کی جاتی ہیں۔

گونڈوں کے ہاں خاندان سے باہر شادی کرنے کا طریق رائج ہے۔ شادی کا جلوس دلہن کے گھر سے نکلتا ہے اور نکاح دولھا کے گھر پر ہوتا ہے۔ ل بیاہی طریق اب بھی رائج ہے۔

گونڈوں کے ہاں طلاق کی عام اجازت ہے۔ بیواؤں کی شادی پر بھی کوئی روک ٹوک نہیں، لیکن غیر کے مقابلے میں دیور کو ترجیح دی جاتی ہے۔

ورد ناچ

واڈ - سک

بردھاں

گونڈوں کے ہاں مُردوں کو جلانے کا رواج ہے۔ آواگون یعنے دوبارہ پیدایش پر یہ لوگ اعتقاد رکھتے ہیں۔

سولھویں صدی تک تو گونڈ بالکل اطمینان اور سکون کی حالت میں تھے، لیکن اس کے بعد شہری آبادی کے ان علاقوں میں آنے اور ساتھ ہی آمد و رفت کی سہولتوں کی وجہ سے وہ تمام زمینیں ان کے ہاتھ سے نکل گئیں جو محض خوش بختی اور اتفاق سے اُن کے ہاتھ آئی تھیں۔ سطحی کاشت میں دشواریاں پیدا ہونے لگیں۔ سرکاری قاعدوں اور ضابطوں سے ناواقفیت کے کارن زندگی کی کشمکش اور زیادہ تلخ ہو گئی اور وہ اپنے آبائی علاقے کو چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ گونڈوں کی یہ حالت دیکھ کر حیدرآباد کی حکومت نے ۱۹۴۳ء میں ایک خصوصی قبیلائی افسر مقرر کیا تاکہ ان کی زمینوں کی حفاظت ہو سکے، انھیں استحصال سے بچایا جاسکے اور ان کے لئے سہولتیں فراہم کی جاسکیں جہالت دور کرنے کی غرض سے عادل آباد میں گونڈوں کے لئے ایک تعلیمی اسکیم بنائی گئی تاکہ انہیں گونڈی زبان میں تعلیم دی جاسکے۔ ٹرینگ کے لئے مارلاوائی میں ایک ٹرینگ سنٹر کھولا گیا۔ ٹرینگ حاصل کرنے والوں کو تیس روپے ماہانہ گرانٹ دیا گیا، کتابیں اور دوسری علمی چیزیں مفت فراہم کی گئیں۔ انہیں اس بات کی بھی سہولت دی گئی کہ وہ اپنی صلاحیت اور ترقی کی بنا پر جلد سے جلد اپنی ٹرینگ ختم کرلے۔ گونڈی چوں کہ کوئی تحریری زبان نہیں تھی اس لئے ناگری لکھاوٹ میں اسے مروج کیا گیا۔ مرہٹی اور تلگو بولے جاتے والے رقبوں میں بھی مدرسوں کا قیام عمل میں آیا۔ اس طرح عادل آباد میں کل (۶۹) اسکول کھولے گیے۔ ان مدرسوں میں پڑھنے

والوں کے لیے سالانہ ساڑھے تین سو روپے کا گرانٹ منظور ہوا تاکہ طالب علموں کے لیے مفت کتابوں اور مفت تعلیم کا انتظام ہو سکے۔ تعلیم کے سلسلے میں انسانیات کا یہ بلند اصول پیش نظر رکھا گیا کہ تعلیم اس طریقے پر نہ دی جائے جس سے قبیلائی زندگی میں بے چینی اور انتشار پیدا ہو۔ نیز تعلیم میں دلچسپی پیدا کرنے کے لیے گونڈی ریڈروں میں ان کے لوک گیت، لوک کہانیاں، دیومالا اور فرضی داستانیں بیان کی گئیں۔ زراعت اور تجارت پر بہت زیادہ زور دیا گیا۔ باغبانی پر خاصی توجہ دی گئی تاکہ انھیں اپنے ماحول سے دلچسپی باقی رہ سکے۔ اس قسم کی فنی تعلیم کے ساتھ ہی ابتدائی حساب، جغرافیہ، تاریخ، صحت عامہ، سرکاری ضابطوں اور قاعدوں اور دیس کے سورماؤں کی زندگی بھی دلچسپ پیرائے میں پیش کی گئی۔

۱۹۴۴ء میں "special loani rules" کے تحت عادل آباد میں گونڈوں کو پٹہ پر زمینیں دی گئیں۔ آج کل بھی پچاس فیصد گونڈوں کے ہاں پٹہ پر زمینیں ہیں۔ ان کی معاشی حالت زیادہ بہتر بنانے کے لیے ہل بیل کی فراہمی کا انتظام کرایہ خریدی طریق (Hire-Purchase System) کے تحت کیا گیا۔ مانکاپور اور کیشلاپور میں زرعی بنکوں کا قیام عمل میں آیا۔ مفت طبی امداد کی ضرورت بہت عرصے سے محسوس کی جا رہی تھی اس لیے سفری دواخانوں کا انتظام کیا گیا۔

روزمرہ کے لڑائی جھگڑوں کا فیصلہ کرنے کے لیے Tribal Areas Regulation کے تحت قبیلائی علاقوں

راپا دس

ڈاکو

علاقوں میں پنچایت برقرار رکھی گئی۔

یہ ہیں وہ تدبیریں جن کے ذریعہ حیدرآباد کی حکومت کئی سال سے گونڈوں کی زندگی بہتر بنانے کی کوشش کر رہی ہے۔

چینچو (Chenchus)

محبوب نگر میں امرآباد کی بلند سطح پر اور نلاملی کی پہاڑیوں میں چینچو بستے ہیں۔ ۱۹۵۱ء کی مردم شماری کے لحاظ سے حیدرآباد میں چینچوؤں کی تعداد ۳٫۸۶۵ بتائی جاتی ہے، جن میں سے ۳٫۲۸۰ صرف محبوب نگر میں بستے ہیں۔ ان میں سے ۵۰۰ امرآباد کی بلند سطح کے جنگلوں میں اپنی گزر بسر کرتے ہیں۔ جنہیں "جنگل چینچو" کہا جاتا ہے۔ یہ "جنگل چینچو" شہری میل ملاپ سے دور شکار اور غذا بٹور کر اپنی زندگی گزارتے ہیں۔

چینچوؤں کا رنگ کالا، سر لمبے، بھویں گھری، ناک نقشہ آدی باسیانہ اور بال گھنگریالے ہوتے ہیں۔ عورتوں کی طرح مرد بھی اپنے بال بڑھاتے ہیں اور انھیں یا تو پیچھے گرہ دے کر باندھتے ہیں یا سر کے اوپر لاکر بائیں جانب باندھتے ہیں۔ یہ لوگ کنگھی نہیں کرتے بلکہ انگلیوں ہی سے بال سلجھاتے ہیں۔ اب عورتیں کنگھی اور تیل کا استعمال کرنے لگی ہیں۔

ان کا لباس بڑا مختصر ہوتا ہے۔ مرد صرف ایک کپڑا باندھتے ہیں۔ نئے اثرات کے تحت بعض مرد دھوتی اور قمیص پہننے لگے ہیں۔ عورتیں باڈی اور ساڑی پہنتی ہیں۔ ان کی یہ ساڑیاں کافی اونچی گھٹنوں تک ہوتی ہیں، البتہ تیوہاروں اور تقریبوں میں نوجوان عورتیں ساڑی نیچے تک

کرلیتی ہیں۔ دعوتوں کے موقع پر شوخ اور بھڑکیلے رنگ کی ساڑیاں پہنتی اور بڑی دلچسپی سے سنگھار کرتی ہیں۔ غریبی کی وجہ سے ان کے زیورات بہت کم اور معمولی داموں کے ہوتے ہیں۔ گلے میں مختلف بیجوں کے ہار پہنے جاتے ہیں۔ یہ عورتیں کڑوں کی بڑی شوقین ہوتی ہیں جن کے درمیان تھوڑا سا حصہ کھلا رہتا ہے۔ ان کڑوں کے سامنے چوڑیاں پہنی جاتی ہیں مرد تانبے اور چاندی کی بالیاں پہنتے ہیں بعض صرف زنجیر میں رنگین کانچ پرو کر بولکی میں ڈالتے ہیں۔ شہد کی مکھیوں کی ڈنک سے محفوظ رہنے کے لیے بعض لوگ سیسہ کا ایک پیچدار چھلا پہنتے ہیں۔

فطرتاً چنچو خاموشی پسند واقع ہوئے ہیں۔ وہ میل ملاپ پر بھی تیار نہیں اور نہ ہی دور اندیشی اور فکر فردا کا انہیں خیال ہوتا ہے۔ صبح وہ غذا کی تلاش میں نکل جاتے ہیں اور جو بھی میسر آتا ہے اس سے دن بھر کی احتیاج پوری کرتے ہیں۔ جنگلی میووں، پھلوں، پھولوں، گڈوں، شہد، موم اور جڑوں کو حاصل کرنا ان کا دن بھر کا مشغلہ ہے۔ بینڈلو اور بنی پنڈلو کے یہ بہت شوقین ہوتے ہیں۔ وہی ان کی ٹوکری، وہی ان کے پرانے پتھر جگ کی کھدائی لکڑی (Digging Stick) اور وہی تیر و کمان ان کے آلات و اوزار ہیں۔ زراعت اور جانوروں کی پرورش سے بڑی حد تک لاپرواہ رہتے ہیں۔ یہ بڑے کاہل اور آرام طلب واقع ہوئے ہیں۔ تمام دن بیکار اپنی جھونپڑیوں میں پڑا رہنا انہیں پسند ہے، لیکن اجرت پر کام کرنا انہیں منظور نہیں۔ ایک پھل توڑنے کے لیے پوری شاخ کاٹ پھینکتے ہیں اور چند مچھلیوں کو پکڑنے کے لیے کنٹہ میں زہر ملا دیتے ہیں۔

اگرچہ چینچو کئی صدیوں سے الگ تھلگ زندگی بسر کر رہے ہیں، لیکن ان کی کوئی الگ بولی نہیں ہے۔ وہ تلگو بولتے ہیں۔ ان کے پاس لوک گیتوں اور گانوں کا بھی کوئی ذخیرہ نہیں۔ شادی بیاہ کے طریقے وہی ہیں جو کٹر ہندوؤں کے ہیں۔

چینچوؤں کی اس پس ماندہ حالت کے مدنظر امرآباد گاؤں سدھار (رورل ویلفیر) اسکیم کے تحت چینچوؤں اور دوسری پس ماندہ جماعتوں کی بھلائی کے لیے ۱۹۴۲ء میں ایک اسکیم بنائی گئی تاکہ جنگل کے چینچوؤں کو خاص حقوق حاصل ہوں۔ انہیں زمینیں دی جائیں، انہیں استحصال سے محفوظ رکھا جائے اور ان کے لیے تعلیمی سہولتیں فراہم کی جائیں۔ "چینچو محفوظ" کے نمایاں خصوصیات یہ ہیں۔

۱۔ محبوب نگر کے امرآباد میں بسنے والے چینچوؤں کے لیے ۶،۰۰۰ ایکڑ زمین مختص کی گئی ہے۔

۲۔ اس محفوظے کے اندر چینچوؤں کو جنگل کی پیداوار حاصل کرنے کی عام اجازت ہے۔

۳۔ خرید و فروخت کا ایک محکمہ قایم کیا گیا جس کے تحت چینچو اپنی حاصل کردہ پیداوار فروخت کرتے اور اپنی ضرورت کی دوسری چیزیں مقررہ نرخ پر خرید سکتے ہیں۔

۴۔ کسی غیر چینچو کو اس محفوظے میں رہنے کی اجازت نہیں اور نہ کوئی دلال اور ساہوکار چینچوؤں سے لین دین کر سکتا ہے۔

۵۔ جنگلات کے جو عہدہ دار چینچوؤں سے کام لیں ان پر لازم ہے کہ وہ چینچوؤں کو مقررہ اجرتیں ادا کریں۔

۶۔ اپنے اپنے حصوں میں چینچوؤں کو لگان ادا کیے بغیر زراعت کرنے کی اجازت ہے اور جنگلات کے محکمے کی طرف سے ان کو کاروبار پر ابھارا جاتا ہے۔

۷۔ اس محفوظے کے اندر تمام غیر چینچوؤں اور دوسرے لوگوں کو جنگلوں کی چوکیداری سے علٰحدہ کرکے چینچوؤں کو مقرر کیا گیا ہے۔

۸۔ چینچوؤں کو طبی امداد بروقت پہنچانے پر زور دیا جاتا ہے۔

۹۔ یہ تمام سہولتیں اُن چینچوؤں کو بھی دی جاتی ہیں جو محفوظے سے باہر رہتے ہیں۔ گانؤ میں بسنے والے تمام چینچوؤں کے لیے روزگار فراہم کرنے کی پوری کوشش کی جاتی ہے۔

اِن تمام سہولتوں کا نتیجہ یہ ہے کہ اب چینچو زراعت میں دلچسپی لینے لگے ہیں۔ عام طور پر یہ لوگ جوار، باجرا، کلتھی اور راگی کی کاشت کرتے ہیں۔ مویشیوں کی مناسب دیکھ بھال کرنے لگے ہیں۔ خود اپنی بیماریوں کا علاج کرانے کے لیے دور دور سے منانور کے دواخانے کو آتے ہیں۔

منانور میں جو اسکول قایم کیا گیا ہے اُس میں چینچو بچوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ کتابیں اور دوسری تعلیمی ضرورت کی چیزیں انھیں مفت فراہم کی جاتی ہیں۔ دوپہر کا کھانا بھی انہیں دیا جاتا ہے۔ صحت عامہ کے اصول، شہریوں کے فرائض، ابتدای حساب اور تاریخ و جغرافیہ کی بنیادی باتیں بتای جاتی ہیں۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ دوسری اونچی ذاتوں اور جماعتوں کے مقابلے میں چینچو بچے بہت اچھا پڑھتے ہیں۔ بات سمجھنے اور اسے ذہن میں محفوظ رکھنے کی کافی صلاحیت

ان میں پائی جاتی ہے۔

کویا (Koyas)

کویا عادل آباد، کریم نگر اور ورنگل ضلعوں میں پائے جاتے ہیں۔ یہ لوگ آتما پوجا یعنی روح پرستی پر عقیدہ رکھتے ہیں۔ ان کے ہاں شادی ابتدائی عمر میں کی جاتی ہے۔ بل بیاہ ان کے ہاں مروج ہے۔

کویاؤں میں سطحی کاشت کا طریقہ رائج ہے جسے "پوڈو" کہا جاتا ہے، لیکن جنگلوں کی حفاظت، زمینوں سے بے دخلی اور نئے قانونوں اور ضابطوں کے نفاذ کی وجہ سے ان پر بہت سی پابندیاں عاید ہو گئی ہیں۔ ورنگل کے کویاؤں کی اس حالت کو دیکھتے ہوئے ۱۹۴۷ء میں ان کی بھلائی کے لیے خاص طور پر ایک سوشیل سرویس آفیسر مقرر کیا گیا تاکہ انھیں پٹہ پر زمینیں دلائی جائیں۔ ۱۹۴۶ء میں یلندو تعلقہ میں ایک ٹیچرس ٹریننگ سنٹر مقرر کیا گیا۔ اسی تعلقہ میں پانچ مدرسے کھولے گئے اور تعلیم بالغان کا بھی انتظام کیا گیا۔ ٹریننگ حاصل کرنے والے طالب علموں کو ماہانہ بیس روپے گرانٹ اور دوسری تمام تعلیمی سہولتیں مفت فراہم کی گئیں۔ کوآپریٹو اسٹورس قائم کیے گیے تاکہ روزانہ ضرورت کی چیزیں انھیں آسانی سے مل سکیں۔ ساتھ ہی حفظان صحت کے اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کے لیے طبی امداد فراہم کی گئی۔

ان تمام ذریعوں کی فراہمی کے باوجود یہ محسوس کیا گیا کہ آمد و رفت کی دقتوں اور راستوں کی خرابی کی وجہ سے پروگرام اتنا کامیاب

نہیں ہو رہا ہے جتنا کہ اسے ہونا چاہیئے تھا، اس لیے ان تمام قبیلائی گانوؤں کو جو ایک دوسرے سے تین یا زیادہ سے زیادہ پانچ میل دور تھے سڑکوں کے قریب بسانے کا خیال ہوا۔ بعد میں یہ بھی تجویز پیش کی گئی کہ اِن گانوؤں کو اس طرح اکٹھا کرکے بسایا جائے کہ وہ مثالی گانو بن سکیں۔ مقام کھلا ہو، سڑکیں چوڑی ہوں، جانوروں کو رکھنے کے لیے علیٰحدہ جگہ ہو، کھاد رکھنے کے لیے علیٰحدہ گڑھے ہوں اور پینے کے لیے پانی کا اچھا انتظام ہو۔ اس خیال کے مطابق مارچ ۱۹۵۰ء میں کویاؤں کی بازبسائی کا انتظام شروع ہوا اور ساتھ ہی کئی ایک گانو سدھار کے مرکز قائم ہوئے جن میں ٹاڈولی، چنابوین پلی، راسنا گڈم، شیواپور، سلوے، پیرا اور جکارم کے مرکز شامل ہیں۔

پاکھال تعلقہ میں بازبسائی کا کام دسمبر ۱۹۵۰ء سے شروع ہوا اور چار گانو سدھار مرکز بنائے گئے، جن میں اشوک نگر، ولبھ نگر، کاکتیا پورم اور باپو نگر شامل ہیں۔ ان مرکزوں میں دو دو، چار چار اور چھ چھ گانوؤں کو ضم کیا گیا ہے۔ ہر مرکز میں زرعی چیزوں کی فراہمی کے علاوا ایک ایک مدرسہ بھی قائم ہوا ہے۔ روزانہ ضرورت کی چیزیں امداد باہمی کے اسٹور فراہم کرتے ہیں جو مقررہ دام پر بازاری نرخ سے سستا غلہ فروخت کرتے ہیں۔ کویاؤں میں سب سے زیادہ عام بیماری "yaws" ہے جسے وہ لوگ ناقابل علاج سمجھتے ہیں، لیکن انجکشنوں کے ذریعے اس بیماری کی شدت بڑی حد تک کم ہو گئی ہے۔ اس ساری جدوجہد کا نتیجہ یہ ہے کہ آج کل کے کویا وہی کویا نہیں رہے جو آٹھ دس سال پہلے تھے۔

بھیل (Bhils)
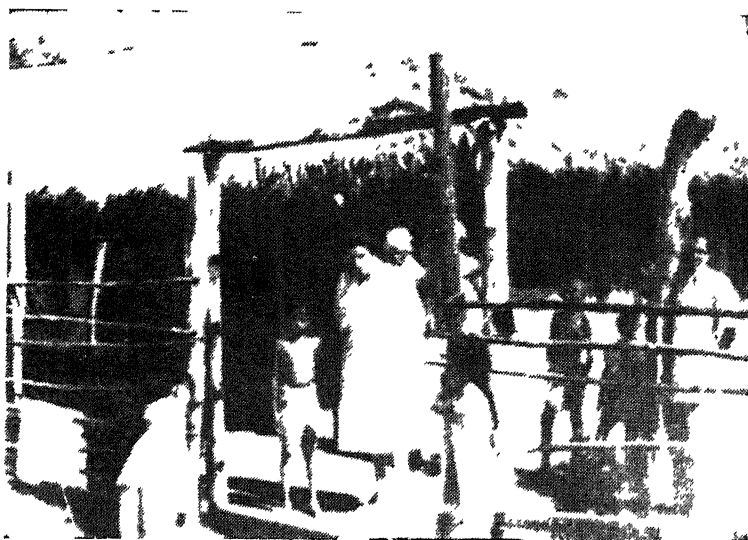
گونڈوں اور چنچوؤں کی طرح بھیل کسی ایک جگہ نظر نہیں آتے بلکہ اورنگ آباد اور بیڑ ضلعوں کے مختلف گاؤں میں بکھرے ہوئے ہیں۔ ان کی تعداد تقریباً ۱۳،۰۰۰ بتائی جاتی ہے۔

کالے رنگ کے، آدی باسیانہ ناک نقشے کے یہ بھیل طبعیتاً بے چین اور ماہر شکاری ہوتے ہیں۔ ان کی کثیر تعداد مذہبی اعتبار سے ہندو ہے اور چند مسلمان ہوگئے ہیں۔ ان کا پیشہ شہد اور جنگلوں کی پیداوار اکٹھا کرنا، مچھلیاں پکڑنا، خرگوش اور پرندوں کا شکار کرنا اور جنگل سے لکڑی کاٹنا ہے۔ آم کے باغوں اور تیار فصل کی نگرانی کرنے کا معاوضہ انہیں ماہانہ دس روپے ملتا ہے۔ کبھی کبھی انہیں روزانہ اجرت بھی مل جاتی ہے۔

جہاں تک پوجا اور عبادت کا تعلق ہے یہ لوگ ایک دیوی کی خاص طور پر زیادہ پرستش کرتے ہیں جسے گاجگھٹ (Gajaghat) کہتے ہیں۔ اس مورتی کا انسانی جسم ہے۔ جب کوئی بھیل اس مورتی کی قسم کھالیتا ہے تو وہ جھوٹ نہیں بولتا۔ ان لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ جو کوئی اس مورتی کی بدگوئی اور بے حرمتی کرے اس کی آنکھیں سوج جاتی ہیں جو کسی علاج سے بھی درست نہیں ہوسکتیں۔ ان کے تمام سماجی اور مذہبی رسم و رواج ہندوؤں سے ملتے جلتے ہیں۔ جھگڑوں کا فیصلہ کرنے کے لیے پنچایت کا طریقہ رائج ہے۔

بنجارے یا لمباڑے (Banjargs on lambadas)

بنجارے یا لمباڑے تمام ہندستان میں پائے جاتے ہیں حیدرآباد میں ان کی بڑی تعداد پای جاتی ہے۔ یہ لوگ کافی تنومند اور جاندار ہوتے ہیں۔ ہمیشہ گانا، ناچنا اور ہنستے رہنا ان کا مشغلہ ہے۔ جمالیاتی ذوق دوسرے تمام قبیلوں کے مقابلے میں بنجارہ عورتوں میں زیادہ ہوتا ہے۔ وہ اپنے لباس اور زیور کو بڑی دلچسپی اور جانفشانی سے تیار کرتی ہیں۔ مردوں نے تو اپنے ہمسایہ ذاتوں کا لباس اختیار کرلیا ہے لیکن عورتیں اپنے اسی قدیم ٹکری، کانچڑی اور بھیٹیا میں نظر آتی ہیں۔ یہ لباس ان کی شخصیت کو کافی جاذب نظر بناتا ہے۔ کپڑے عموماً زرد اور سرخ رنگ کے پہنے جاتے ہیں۔ یہ عورتیں گلے میں کئی مالے پہنتی ہیں۔ بالوں کو دو حصوں میں تقسیم کرکے ان میں بڑے بڑے جھمکے پروتی ہیں۔ زیوروں میں خاص چیز ہڈیوں کی چوڑیاں ہیں جو وہ کہنیوں تک پہنتی ہیں۔ ناچتے وقت جب ان عورتوں کے ہاتھ گردش میں آتے ہیں تو ان چوڑیوں کی جھنکار ان کے گیتوں کی لے پر تال کا کام دیتی ہے۔ عام طور پر لڑکی کی عمر جب تک بارہ سال کی نہیں ہوتی اس کی شادی نہیں کی جاتی۔ اپنی جز ذات میں شادی کرنے کی اجازت نہیں۔

بنجارہ لوگوں کی زندگی میں سدھار پیدا کرنے کے لیے سب سے پہلے ۱۹۴۶ سنہ میں اسکیم بنای گئی۔ گیارہ ابتدای مدرسے اور ایک ٹریننگ سنٹر قایم کیا گیا۔ اسکول کی تمام ضرورت کی چیزیں مفت فراہم کی گئیں۔

لدھا رہ سوزن

المعراج

تیرہواں باب

آدی باسیوں کے مسئلہ

ہر علم کی اہمیت اور مقبولیت اس کی افادیت کے ساتھ وابستہ ہے۔ جس طرح ریاضی اور طبیعات کا مطالعہ انجینئرنگ کے لیے۔ کیمیا کا مطالعہ دوا سازی کے لیے اور نباتیات کا زراعت کی ترقی کے لیے ضروری ہے اسی طرح انسانیات کا مطالعہ آدی باسیوں کی زندگی کو بہتر اور خوش حال بنانے کے لیے مفید ہے۔

۱۹۴۱ء کی مردم شماری کے لحاظ سے ہندستان میں آدی باسیوں کی تعداد ۲۵ ملین یعنی ڈھائی کروڑ بتائی جاتی ہے۔ اس آبادی کا بیشتر حصہ جو اس ملک کے طول و عرض میں بسا ہوا ہے بڑی حد تک جہالت، فاقہ کشی، نشہ بازی، توہم پرستی، جادوگری اور افلاس میں مبتلا، تہذیب و شائستگی سے دور پہاڑوں اور جنگلوں میں زندگی گزار رہا ہے۔ آبادی کی اتنی بڑی تعداد کو کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ایک بمبئی ریاست ہی کو لیجیے جہاں جاہل،

رو گی، چیتھڑے لگائے ہوئے اور انتہائی تنگدستی میں زندگی بسر کرنے والے بھیل، گونڈ اور سنتال کثرت سے موجود ہیں۔ یہ سیکڑوں کی تعداد میں خاندیس، تھانا، کولابا، پنچ محل، شمالی گجرات اور ناسک میں ملتے ہیں۔ اب یہ کام انسانیات سے دلچسپی رکھنے والوں کا ہے کہ وہ گانْووں اور کھیڑوں، جنگلوں اور پہاڑوں کا رخ کریں اور آدی باسیوں کے حالات کا جو فطرت کی فیاضیوں اور قدرت کے عطا کردہ تحفوں پر اپنی زندگی بسر کر رہے ہیں گہری نظر سے مطالعہ کریں۔

جہاں تک آدی باسیوں کے مسئلوں کا تعلق ہے، نوعیت کے لحاظ سے تو وہ بھی ہمارے ہی تہذیبی اور تمدنی مسئلوں کے مماثل ہیں، لیکن شدت اور گہرائی کے لحاظ سے وہ ان سے مختلف ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ نمایاں اور فوری توجہ کے محتاج غریبی، جہالت، بیماری، بدانتظامی، اور آمد و رفت کی مشکلات کے مسئلے ہیں۔

غریبی یا افلاس

سب سے پہلے غریبی کو لیجیے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ہندستان کی آبادی کا سب سے غریب طبقہ یہی ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ اس میں شک نہیں کہ ہریجنوں کا طبقہ بھی سماجی جکڑ بندیوں اور چھوت چھات کی وجہ سے بہت تنگ حال ہے مگر اس کا کم از کم ہمیں احساس ہے اور ہریجنوں کو حقوق دلانے کی ہم کوشش بھی کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف آدی باسی ہیں جو ہر لحاظ سے پست ہونے کے باوجود

ترقی یافتہ طبقوں اور حکومتی جماعتوں کی توجہ سے بہت کچھ محروم ہیں۔
حال حال تک ہر حکومت چاہے وہ ہندوؤں کی ہو یا مسلمانوں کی ہو
یا عیسائیوں کی، ہمیشہ ان کے مسئلوں سے غفلت کرتی رہی اور آدی
باسی ہر دور میں برابر ناانصافیوں، بیماریوں، افلاس اور دوسروں کے
استحصال کا شکار بنتے رہے۔

آدی باسیوں کے افلاس کا ایک اہم سبب ان کا انتہائی
ناقص طریقۂ کاشت ہے۔ بہت سے آدی باسی تو ہل اور بیل کے استعمال
سے ہی ناواقف ہیں۔ وہ جڑی بوٹیوں، گڈوں اور پھلوں پر گزر بسر
کرتے ہیں۔ چند ایسے ہیں جو سطحی کاشت (Shifting
Cultivation) سے واقف ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ
ڈھلوان پہاڑوں کے جنگل میں آگ لگادی جاے اور جب جنگل جل جائے
تو اس کی راکھ میں بیج بکھیر دیے جائیں۔ یہ طریقہ جیسا کچھ نقصان دہ ہے
ظاہر ہے۔ ایک طرف تو جنگلوں کا صفایا ہو جانے سے بارش میں کمی
ہونے لگتی ہے اور دوسری طرف حکومتی انتظام میں سخت دشواریاں
پیدا ہوتی ہیں۔ اسی بنا پر محض ریاستی حکومتوں نے اس کو روکنے
کی کوشش کی لیکن سوائے چند رقبوں کے اس میں کامیابی نہیں ہوی۔
اسی طریقہ کاشت کو آسام میں جھوم (Jhum) جنوبی
اڑیسہ میں پوڈو (Podu) اور مدھیہ پردیش میں
بیوار (Bawar) کہتے ہیں۔ اس صورت حال کی اصلاح میں
سب سے بڑی دشواری بعض آدی باسیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ
زمین مقدس ہے۔ اس لیے اُس میں ہل چلانا پاپ ہے۔ ظاہر ہے کہ

ان حالات میں جلد بازی سے کام نہیں لیا جا سکتا۔ اس لیے "آہستہ چلو" کی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے، ان لوگوں کے خیالات میں تبدیلی پیدا کرنا ہوگا اور جو اشخاص حکومت کے مشوروں پر عمل کرنے کے لیے تیار ہوں ان کی ہر طرح سے مدد کر کے عملی طور پر ثابت کرنا ہوگا کہ نیا طریقۂ کاشت ان کے لیے ہر لحاظ سے سودمند ہے۔

آدی باسیوں کے افلاس کا ایک اور بڑا سبب اُن کی نشہ بازی کی عادت ہے۔ دلّال انھیں ایک طرف روپیہ قرض دیتے ہیں اور دوسری طرف ان کے ہاتھ بھاری داموں پر شراب فروخت کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے حکومت کی طرف سے بعض علاقوں میں نشہ بازی کی روک تھام کے لیے کوششیں کی جا رہی ہیں۔

جہالت

جس ملک میں شہری آبادی کی خواندگی کا شمار پندرہ فیصد ہو وہاں تمدن کے ابتدائی درجوں پر زندگی بسر کرنے والوں کا کیا ذکر؟ چنانچہ ۱۹۴۱ سنہ کی مردم شماری میں فی ہزار صرف چار بھیل پڑھے لکھے نکلے۔ دشواری یہ ہے کہ اکثر آدی باسی علاقے ریلوے لائن اور آبادی سے دور واقع ہیں۔ اس کے علاوہ ان کی آب و ہوا بھی اکثر خراب ہوتی ہے جس کی وجہ سے اکثر مدرس وہاں جانے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ اصلاحی تدبیریں اختیار کرتے وقت ایک تو ان مشکلات کا لحاظ کرنا ہوگا۔ دوسرے یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ ہمارا مروّجہ طریقۂ تعلیم کہاں تک آدی باسی طبقوں کے لیے مفید ثابت ہو سکتا ہے ظاہر ہے کہ ان

طبقوں کے نصاب تعلیم میں معمولی پڑھنے لکھنے کے علاوہ زیادہ تر ایسے پیشے اور ہنر شامل کرنا ہوں گے جن سے ان کی مقامی ضروریتیں پوری ہو سکیں۔

صحت

آدی باسیوں کے لیے صحت کا مسئلہ بھی بہت اہم ہے۔ آدی باسی علاقے غلاظت کی وجہ سے ملیریا کا شکار ہیں۔ متعدی امراض چیچک، طاعون، ہیضہ اور گوبری ہر سال نمودار ہوتے ہیں۔ " Yaws " بیماری کی وجہ سے ہر سال کئی لوگ مرتے ہیں۔ کم عمری کی شادی، کئی شوہری اور ناجائز جنسی تعلقات بھی ان کی بیماریوں کا باعث ہیں ایک طرف جہالت اور دوسری طرف علاج کی خرابی کے باعث ان بیماریوں کی شدت میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔

آدی باسیوں کا عقیدہ ہے کہ بری روحوں کے ستانے کی وجہ سے آدمی بیمار پڑتا ہے، جس کے لیے جانوروں کی قربانی ضروری اس کے علاوہ جھاڑ پھونک اور جھو منتر پر ان لوگوں کا بہت اعتقاد ہے۔ اصلاحی تدبیروں کے اختیار کرنے میں اس صورتِ حال کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔

آمدورفت کی دقتیں

آدی باسی علاقوں میں آنے جانے کے لیے ذرائع حمل و نقل کی دقتیں بہت زیادہ ہیں۔ چند ہی ایسی سڑکیں ہیں جو ہر موسمی ہیں یا

جن پر موٹریں چل سکتی ہیں بعض جگھوں پر تو راستہ اس قدر تنگ ہے کہ وہاں صرف پیدل ہی جا سکتے ہیں پہاڑیوں اور وادیوں کی وجہ سے الگ دشواری پیش آتی ہے۔ پہاڑی چشموں کی وجہ سے اکثر ٹرافک رک جاتی ہے۔

انتظام کی خرابیاں

انتظام کی خرابیاں آدی باسی مسئلوں کو اور زیادہ پیچیدہ کر رہی ہیں جو بھی انتظام ان علاقوں میں قایم ہے وہ زیادہ تر ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں ہے جو شہری انتظام کے قانون کو آدی باسی علاقوں پر لاگو کرتے ہیں۔ اس کی وجہ سے خام تمدنی لوگوں کی زندگی میں انتشار اور بے چینی پیدا ہوتی ہے۔ انصاف کے اصولوں سے آدی باسی واقف نہیں ہوتے اور نہ وہ عدالتی قاعدوں سے آگاہ ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ بارش کے زمانے میں عدالت تک پہنچنا ان کے لیے مشکل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ایک موقعہ پر گرگسن نے لکھا ہے۔

اکثر یہ بھی ہوتا ہے کہ عدالت پہنچنے کے بعد گونڈ کو ایک دو دن انتظار کرنا پڑتا ہے، یا اسے پتہ چلتا ہے کہ تحصیلدار باہر گیا ہوا ہے یا اس قدر مصروف ہے کہ اس کی کارروائی پر توجہ نہیں کر سکتا	"On arrival at court it often happens that the Gond may be kept waiting for a day or two, or find that the Tahsildar is away or too busy to take his case, or he is

then told to go away	یا پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ اب
& return a week or	واپس چلا جائے، اور آٹھ دس،
ten days later."	دن کے بعد لوٹ آئے۔"

ان خرابیوں کی وجہ سے آدی باسی حق اور انصاف سے محروم رہتے ہیں۔ عہدہ داریوں کہ ان کے رسم و رواج اور طور طریق سے ناواقف ہوتے ہیں، اس لیے آدی باسیوں کو جس قسم کے انصاف اور تصفیہ کی حقیقت میں ضرورت ہوتی ہے، وہ انھیں میسر نہیں آتا۔

ساتواں حصہ: ضمیمے

اصطلاحوں کی تشریح

Glossary

آچیلیائی (Acheulean): مغربی یورپ کا وہ تمدن جس کا تعلق نچلے پرانے پتھر جگ سے ہو۔

آدی باسی (Aborigines): وہ لوگ، جماعتیں یا گروہ جو تہذیب و تمدن کے بالکل ابتدائی درجے پر زندگی گزارتے ہیں خام تمدنی (Primitive) کہلاتے ہیں۔ خام تمدنیوں میں بھی اور زیادہ خام تمدنی آدی باسی ہوتے ہیں۔

آئینو (Ainu): شمالی جاپان کے آدی باسی جن کی معیشت غذا ٹٹولنے پر منحصر ہے۔

ایک طرفہ وراثت (Unilateral): وراثت کا سلسلہ جو صرف ماں یا باپ کی طرف سے ہو۔

بچہ کشی (Infanticide): بچوں کو مار ڈالنے کا رواج یا عمل۔

بچہ نامی (Teknonymy): ماں باپ کو بچوں کے نام سے مخاطب کرنے کا طریقہ۔

برادری اور رشتہ داری (Kin & Kinship): حقیقی اور روایتی رشتہ داروں کی جماعت۔

بومے رانگ (Boomerang): آسٹریلیا کے بعض آدی باسی ایک ہتھیار استعمال کرتے ہیں جو اُڑتی چڑیا کو زخمی کر کے پھر مارنے والے کے قریب گرتا ہے۔

بونگا (Bonga): چھوٹے ناگپور میں پائے جانے والے قبیلوں کا نیچر پرستی سے ملتا جلتا عقیدہ کہ ایک فوق فطری قوت چاند، سورج، اور دریاؤں میں پائی جاتی ہے۔

پتھر ہو جانا (Fossil): مختلف چیزوں کا قدرتی عمل سے پتھر کی صورت اختیار کرنا۔

پدرانہ طریق وراثت (Patrilineal): باپ کی طرف سے وراثت کو شمار کرنے کا طریقہ۔

برگوت بیاہ (Exogamy) : غیر خاندان میں شادی کرنے کا طریقہ۔
پلی اسٹوسین (Pleistocene) : ماہروں کے خیال کے مطابق یہ عہد آج سے دس لاکھ برس پہلے شروع ہوتا ہے۔ اس عہد میں انسان کے وجود کا بھی پتہ چلتا ہے۔
پلی اوسین (Pliocene) : ماہروں کے خیال کے مطابق یہ عہد آج سے سات لاکھ پہلے شروع ہوتا ہے۔ اس عہد میں بھی انسان کا وجود تھا۔
پھپھی راج (Amitate) : کئی خام تمدنی قبیلوں میں یہ طریقہ پایا جاتا ہے کہ گھریلو معاملات میں پھپھی کا اقتدار ماں سے زیادہ ہوتا ہے۔
پھیلاؤ (Diffusion) : کلچر ٹریٹ کا ایک سماج سے دوسرے سماج میں پھیلنا۔
تابو (Tabu) : ایسے کام جو فوق فطرتی احکام کے تحت منع کیے گئے اور سزا کے لائق قرار دیے گئے ہوں۔
تروبیانڈ جزیرے (Trobriand Island) : میلنیشیای جزیروں کا وہ مجموعہ جو نیوگنی کے مشرق میں واقع ہے۔
تمدن بندی (Acculturation) : ایسا طریق جس میں دو سماج ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے ایک سماج کا تمدن اثراندازی کی وجہ سے بالکل بدل جاتا ہے۔
ٹوٹم (Totem) : جانور یا درخت سے وابستگی۔ جو لوگ ٹوٹم کو مانتے ہیں اُس کی بہت زیادہ عزت کرتے ہیں۔ وہ نہ تو اپنے ٹوٹم کو تکلیف پہنچاتے ہیں اور نہ اُسے مارتے ہیں۔ اگر کسی جماعت کا ٹوٹم سانپ ہو تو وہ کبھی اُس کو نہیں ماریں گے۔
ٹوڈا (Toda) : جنوبی ہندستان کا وہ قبیلہ جس سے عام طور پر چند شوہری کا طریق منسوب کیا جاتا ہے۔
چیلیای (Chellean) : یورپ کا وہ تمدن جس کا تعلق نچلے پرانے پتھر جگ سے ہو۔

حیثیت (Status): سماج میں فرد کا درجہ۔

دیور بیاہ (Livirate): شوہر کے بعد اُس کے چھوٹے بھائی سے شادی کرنے کا طریقہ۔

ذات (Caste): ایسی جماعت جس کا تعلق کسی خاص پیشے، نسل اور مذہب سے ہو۔

زبانی ادب (Oral Literature): سینہ بہ سینہ چلے آنے والا ادب۔

سالی بیاہ (Sororate): بیوی کے بعد اُس کی بہنوں سے شادی کرنے کا طریقہ۔

سب (Sib): کُم کے لیے دوسرا نام۔

سبلنگ (Sibling): ایک ہی کُم سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی اولاد۔

شمن (Shaman) مذہبی معلومات کا ماہر، جسے علاج معالجے میں بھی دخل ہوتا ہے۔

شے پرستی (Fetishism) عبادت یا پوجا میں مادی چیزوں کا استعمال۔

عبوری بھائی بہن (Cross Cousins): پھپیرے اور ممیرے بھائی بہن۔

عوامی ادب (Folklore): لوک گیت، قصے، کہانیاں، روایتیں، اور کہاوتیں جو صدیوں سے سینہ بہ سینہ چلے آ رہے ہیں۔

فرضیہ خیالی داستان (Myth): قیاس پر مبنی کہانی یا باور کردہ خیال۔

قبیلہ (Tribe): ایسی سماج نسلی جماعت جو اپنے خاص تمدن کی بنا پر دوسری جماعت کے تمدن سے ممتاز ہو۔

کلچر پیٹرن (Culture Pattern): کسی تمدن کی بنیادی اور مرکزی خصوصیتیں۔

کلچر ٹریٹ (Culture Trait): تمدن کے علیحدہ علیحدہ حصے۔

کلچر ربط (Culture Contact): آدی باسیوں اور ترقی یافتہ جماعتوں کا ایسا ربط جو ایک طرفہ ہوتا ہے۔

کیلٹ (Celt): کلہاڑی کے ایسے سرے جو صاف پتھروں سے بنائے گئے ہوں۔

گوت بیاہ (Endogamy): خاندان کے اندر شادی کرنے کا طریقہ۔

گھل مل جانا (Assimilation) : وہ طریقہ جس کے تحت مختلف تمدنوں کی جماعتیں ایسے مشترک کلچر کو اختیار کرتی ہیں جس میں دونوں کلچر کے اجزا شامل ہوتے ہیں۔

لنگور (Ape) : مای اوسین عہد میں پائے جانے والے لنگور جن کی نمایندگی گبن، اورانگ اوٹانگ، گوریلا، اور چمپینزی کرتے ہیں۔

مادرانہ طریقِ وراثت (Matrilineal) : ماں کی طرف سے وراثت کو شمار کرنے کا طریقہ۔

مای اوسین (Miocene) : ماہروں کے خیال کے مطابق یہ عہد آج سے انیس لاکھ برس پہلے شروع ہوتا ہے۔ اس عہد میں لنگور بستے تھے۔

متوازی بھای بہن (Parallel Cousins) : چچیرے اور خلیرے بھای بہن۔

اردو انگریزی مرادفے

(Urdu - English Equivalent)

Archeology	آثارِ قدیمہ، قدیمیات، آثاریات
Aborigines, Adibasi	آدی باسی
Aboriginal	آدی باسیانہ
Evolution	ارتقا
Index	اشاریہ
Isolated	الگ تھلگ
Unwritten dialect	اَن لکھی بولی، غیر تحریری بولی
Rehabilatation	بازبسای
Re-adjustment	باز مطابقت
Mutual aid	باہمی امداد
Marriage by Capture	بل بیاہ
Pastoralism	بن چرای، چرواہیت
Inter-societal Contact	بین سماجی ربط

Patrilineal	پدری، پدرانہ
Patriarchate	پدریت
Dawn	پربھاتی
Podu Cultivation	پوڈو کاشت
Dynamic Aspect of Culture	تمدن کا حرکیاتی پہلو
Joking Relationship	ٹھٹھولی رشتہ، مذاقی رشتہ
Magico-religious Functions	جادو مذہبی فرائض
Sub-Caste	جز ذات
Democraey	جنتا راج، جمہوریت
"Laisser faire, laisser aller"	"چلنے دو، رہنے دو"
Chenchu Reserve	چنچو محفوظہ
Self-determinism	خود ارادیت
Special Tribal Officer	خصوصی قبیلائی افسر
Valuntary Association	رضاکارانہ انجمن
Welfare Activities	رفاہی جدوجہد

Touring Dispensary	سفری دواخانے
Social Organization	سماجی تنظیم
Social Equality	سماجی مساوات
Physical Anthropology	طبعی انسانیات
Near Human	قرب انسان، قریب انسان
Pre-human	قبل انسان
Pre-historic Culture	قبل تاریخی تمدن
Bibliography	کتابیات
Rural Welfare	گاؤں سدھار
Summer Camp	گرمائی کیمپ
Matrilineal	مادری، مادرانہ
Matriarchate	مادریت
Material Culture	مادی تمدن
Trade Union	مزدور سبھائیں
Common Ancestor	مشترک مورث
Racial Prejudice	نسلی تعصب

(BIBLIOGRAPHY) کتابیات

سماجی انسانیات سے متعلق مطبوعات

Beals, R L & Hoijer, H "*An Introduction to Anthropology*" Macmillan New York 1953

Bidney, D "*Theoretical Anthropology*", Columbia Univ Press New York 1953

Boas, F "*General Anthropology*", Heath New York 1953

Boas, N K "*Cultural Anthropology*", Indian Associated Publishing Company Calcutta 1953

Chapple, E D and Coon, C S "*Principles of Anthropology*", Holt London 1947

Coon, C S "*A Reader in General Anthropology*", Jonathan London 1950

Dube, S C "*Anthropology*", Chetana Hyderabad 1952

Durga Bhagwat "*A Primer of Anthropology*", Padmaja Publication Baroda 1940 (?)

Firth, R "*Elements of Social Organization*", Watts London 1950

Goldenweiser, A A "*Anthropology*",

Herskovits, M J "*Man and his Works*", Knopf New York 1949

Hoebel, E A "*Man in the Primitive World*", McGraw Hill New York 1949

Kluckhohn, C "*Mirror for Man*", Harrap London 1950

Kroeber, A L "*Source Book in Anthropology*", Harcort New York 1931

Linton, R "*The Study of Man*", Appleton. London 1936

Lowie, R H "*An Introduction to Cultural Anthropology*", Rinehart. New York 1947

"*Primitive Religion*", Routledge London 1936

Majumdar, D N "*Modern Trends in Social Anthropology*", Univ of Calcutta Calcutta 1938

Nadel S F "*The Foundation of Social Anthropology*", Cohen London 1953

"*Anthropology in Modern Life*", The Australian National Univ Camberra 1953

Penniman, T K "*A Hundred Years of Anthropology*", Duckworth London 1952

Peddington, R "*An Introduction to Social Anthropology*", OLiver London 1950

Prasad R C "انسانیات" Central Publishers Hyderabad 1952

Schmidt, W "*The Origin & Growth of Religion*", Methew London 1935

Slotkin, J S "*Social Anthropology*", Macmillan New York 1950

سماجی انسانیات سے متعلق چند معیاری رسالے

"*Man*" *A Record of Anthropological Science*
The Royol Anthropological Institute London

"*The Anthropologist*",
Department of Anthropology Univ of Delhi Delhi

"*American Anthropologist*", American Anthropological Association Andover, Mass U S A

"*Yearbook of Anthropology*"
Wenner-Grenn Foundation New York

Dube, S. C "*The Kamar*", 1951

"***Field-songs of Chhatisgarh***", Universal Lucknow 1947

"***Planning for the Tribes***",

Dept of Social Service Hyderabad-Dn 1950

Ehrenfels, U R "*Kadar of Cochin*",

Univ of Madras Madras 1952

'*Mother-Right in India*",

Oxford Univ Press London 1941

"*Khasi Kinship Terms in Four Dialects*",

Posiex Switzerland

"***The Comparative Study of Matrilineal Civilization in India***', Dept of Anthropology Madras 1953

Elwin, V "*The Maria and their Ghotul*', 1947

'*Bondo Highlander*", 1950

"*The Agaria*", 1942

"*The Aboriginals*", 1944

"*The Tribal Art*", 1951

Oxford Univ Press London

Endel S '*The Kacharis*", Macmillan London 1911

G[illegible]door, S K A "*The Social and Tribal Welfare*" 1951

"*Tribes & Tribal Welfare in Hyderabad*", 1952

'*Social Service among the Tribes & Backward Classes in Hyd*", Social Service Dept Hyderabad

Grigson, W V "*The Challenge of Backwardness*',

Govt Pr, Hyderabad-Dn 1942

'*The Maria Gonds of Baster*",

Oxford Univ Press London 1949

Haimendorf, C v F '*The Chenchus*", 1943

'*The Raj Gonds of Adilabad*", 1948

"*The Reddis of the Bison Hills*", Macmillan London 1945

"*Progress & Problems of Aboriginal Rehabilitation in Adilabad District*", Govt Pr Hyderabad 1946

Hivale, S "*The Pardhans of the Upper Narbada Valley*",
Oxford Univ Pr London 1946

Hutton, J H "*The Sema Nagas*", Macmillan London. 1921
"*Caste in India*", Cambridge Univ Press London 1946

Iyer, L A K "*The Coorg Tribes and Castes*",
Gorden Madras 1948

Majumdar, D N "*The Matrix of Indian Culture*" 1947
"*The Affairs of a Tribe*", 1950
"*Races and Cultures of India*", 1944
"*The Fortunes of Primitive Tribes*",
Universal Lucknow 1944

Mills, J P "*The Rengma Nagas*", Macmillan London 1937

Roy, S C "*The Orans of Chota Nagpur*", 1915
"*The Birhors*", 1925
"*Oran Religion & Customs*", 1928
"*The Hill Bhuiyas of Orissa*', 1935
'*The Kharias*", Man in India Ranchi 1937

Setumadhava Rao Pagdi "*Among the Gonds of Adilabad*",
Popular Book Depot Bombay-7 1949
"*Tribal Welfare in Adilabad*", Gunfoundry Hyderabad

Thakkar, A V "*The Problem of Aborigines in India*",
Gokhale Institute Poona 1941

هندستانی انسانیات سے متعلق چند معیاری رسالے

"*Man in India*", Man in India Office Ranchi

"*The Eastern Anthropologist*",
Universal Publishers Lucknow

"*Vanyajati*", Bhartiya Adimjati Sevak Sangh Delhi

اشاریہ

(Index)